رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۲۹

لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ محمّدٌ رسول اللّٰہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

ریویو آف ریلیجنز اردو رسالہ

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین۔ اکمل

[illegible]

[illegible]

نمبر ۷ | جولائی سنہ ۱۹۲۴ء مطابق ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۲ھ | جلد ۲۳

فہرست مضامین

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر چھپکر شائع ہوا

اسلام کی نسبت غیر مذاہب کے علماء کی رائے

(۱)

جو جھوٹ باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں نے اُس انسان (محمد صلعم) کی نسبت قائم کی تھیں۔ اب وہ الزامات قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں۔ (ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ)

(۲)

بے شک مذہب اسلام کی بہت بڑی حد تک مہذب دنیا مرہون منت و احسانمند ہے۔ بیشک میں امید رکھتا ہوں کہ تمام عیسائی مذہب اسلام کو ایک عظیم الشان طاقت کی صورت میں دیکھینگے۔ جو دنیا کو بہت بڑا نفع پہنچا رہا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ مذہب اسلام کے بغیر دنیا اس قدر نیک اور اچھی حالت میں ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ جیسی اب ہے۔ میں مذہب اسلام کی طاقت و جبروت کے اقرار کے طور پر اس کے آگے اپنی گردن جھکاتا ہوں۔ (پادری گراہیم ہارٹن آف لندن تقریر جلسہ ۱۹۱۶ء مذہب اسلام و عیسائیت)

(۳)

میں بغیر ایک دلی جوش اور وجدانی کیفیت محسوس کیئے کبھی کسی مسجد میں داخل نہیں ہوا۔ بلکہ اجازت ہو تو یہ کہوں کہ جب کبھی میں مسجد میں گیا تو اپنے مسلمان نہ ہونے پر بھی ایک خاص افسوس ہوا۔ (امیرنسٹ رینان۔ اسلام۔ اینڈ سائنس صفحہ ۱۹ مطبوعہ پیرس ۱۸۸۳ء)

(۴)

حقیقت یہ ہے کہ ہم اسلام کے مقابلہ میں اس وجہ سے ناکامیاب ہوتے ہیں کہ ہم ایک ایسا روکھا پھیکا اور خشک مذہب پیش کرتے ہیں۔ جو نہ کچھ خیالی لطف پیدا کر سکتا ہے۔ اور نہ عقل میں آسکتا ہے۔ برخلاف اس کے اسلام ان لوگوں کے لئے جو وہمی خیالات و اعتقادات چھوڑنے پر آمادہ ہوں۔ ایک ایسا عقیدہ پیش کرتا ہے۔ جو عقل کے نہایت موافق ہے ××× کچھ شک نہیں ہے کہ مذہب اسلام انسان کی طرز زندگی چال چلن کو شائستہ اور معزز بنانے میں مؤثر ثابت ہوا ہے۔ اور ایک بڑی خوبی۔ اُس میں نہ تو مشکل مسئلے ہیں۔ اور نہ وہ شروع ہی سے لوگوں کو ایسے اعتقادات پر مجبور کرتا ہے۔ جو ہماری عقل یا کسی انسان کے معمولی سمجھ کے برخلاف ہوں۔ اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں۔ جسکے ظاہر کرنے میں اسکے ماننے والوں کو کچھ شرم یا جھجک پیدا ہو۔ بلکہ ہر مرد و عورت تمام امور کا علانیہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ (ایشیاٹک کے اڈیٹر لی ریویو آف لندن۔ بابت ماہ اکتوبر ۱۸۸۶ء نمبر ۱۴۶)

(۵)

ہم ایک ایسے نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں جسمیں کوئی غلطی نہیں ہے اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ محمد (صلعم) نے تمام دنیا کو فتح کرنا اور اسلام کا بول بالا کرنا چاہا مگر غیر مذہب والوں پر کسی طرح کا جبر و ستم کرنا روا نہیں رکھا۔ انکو مذہب اور رائے کی آزادی عطا کی۔ اور ان کے

[illegible]

اطلاع: ۔ [illegible]

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ　　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اساس الاتحاد

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

بطرف جملہ ممبران ایڈ ہاک استقبالیہ کمیٹی مسلم لیگ و نمائندگان اجلاس مسلم لیگ ۱۹۲۴ء

السلام علیکم۔ آپ لوگ اسوقت مسلم لیگ کے اجلاس کیلئے جمع ہوئے ہیں اور آپکے سر پر قومی مفاد کی نگہبانی کے اہم فرض کا بوجھ صبر آزما طور پر رکھا ہوا ہے۔ آپکی غلطی کروڑوں مسلمانوں کی ٹھوکر کا موجب اور آپکا صحیح رائے قائم کرنا کروڑوں کی ہدایت اور آرام کا موجب ہو سکتا ہے۔ پہلوں نے غلطی کی اور آجتک مسلمان اسکا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ آپ لوگ اگر غلطی کرینگے تو تکلیف قریبًا لاعلاج ہو جائیگی اور مسلمانوں کا پیالۂ عمل کناروں پر سے اچھل پڑیگا۔

چونکہ باوجود اسکے کہ ہماری جماعت کی نسبت عمومًا اور میری نسبت خصوصًا یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہمیں مسلمانوں کی عام سیاسی حالت سے دلچسپی نہیں ہے اور انکے مصائب کو ہم بے پروائی کی نگہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارے دل مسلمانوں کی تکالیف کو دیکھ کر زخمی ہیں اور ان کی مشکلات کو معائنہ کر کے خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ اور چونکہ مجھے کارکنان مسلم لیگ

نے شمولیت کی دعوت بھی دی ہے میں یہ چند سطور لکھکر بطور مشورہ آپ لوگوں کی خدمت میں اپنے نمائندوں کے ذریعے سے اور اس مطبوعہ چٹھی کے ذریعے سے پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں۔ کہ جس اخلاص کے ساتھ یہ مشورہ دیا گیا ہے اسی اخلاص سے آپ لوگ اسپر غور فرمائینگے۔

اے احبۂ کرام! اسوقت جن سوالوں پر آپ لوگ جمع ہوئے ہیں انمیں سے اہم سوال مسلمانوں کے قومی حقوق کی نگرانی اور ہندو مسلم اتحاد کے سوال ہیں۔ اور انہی سوالوں کے متعلق میں اپنے مشورہ کو محدود رکھنا چاہتا ہوں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ مسلمان بحیثیت قوم کسطرح محفوظ رہ سکتے ہیں اور ملک کی سیاست میں اپنے طبعی مقام کو کسطرح قائم رکھ سکتے ہیں؟ میرے نزدیک اس سوال کا جواب سوچنے کے لئے ہمیں بہت غور کی ضرورت نہیں۔ دنیا کی اقوام پر ایک سرسری نگاہ ڈالکر ہم اس امر کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ کسی قوم کے اپنے مقام پر قائم رہنے کی صرف ایک صورت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنے آپکو خود قائم رکھے۔ وہ قوم جو اپنے وجود کو خود مٹاتی ہے اس کا ہرگز حق نہیں کہ وہ زندہ رہے اور وہ ہرگز زندہ نہیں رہ سکتی۔ پس اگر آپ لوگ اپنی جداگانہ ہستی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو آپکے لئے ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کے قیام کی خود فکر کریں اور اپنی ذات کو اسطرح نہ مٹنے دیں کہ آپکا وجود اور عدم برابر ہو جائے۔

میرے نزدیک مسلمانوں کی پچھلی تباہی کا بڑا موجب، ہی انکی جداگانہ ہستی کا فقدان تھا اور میں برابر چار سال سے انکو اس امر کیطرف توجہ دلا رہا ہوں مگر افسوس کہ انکو اسوقت آکر توجہ ہوئی ہے جب وہ بہت کچھ کھو چکے ہیں۔ ایک ایسے ملک کی مثال جسمیں کئی قومیں بستی ہیں ایسی عمارت کی ہے جسے بہت سے پتھر کی سلوں سے بنایا گیا ہو۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ مکان اصل ہے لیکن اس مکان کا قیام بھی ان سلوں کے قیام کیساتھ ہے ضروری ہے کہ جسطرح وہ سلیں آپس میں پیوستہ ہوں اسیطرح ہر ایک سل اپنی ذات میں بھی محفوظ ہو۔ اگر ایک سل کمزور ہو جائیگی تو وہ خود ٹوٹیگی ہی مکان کو بھی نقصان پہنچائیگی۔ پس یہ پالیسی بالکل درست نہیں کہ ملک کے اتحاد کے قیام کیلئے مسلمانوں کو اپنی الگ آرگنیزیشن کیضرورت نہیں جبتک ایسی کوئی آرگنیزیشن نہ ہوگی اسوقت تک کبھی بھی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہیں ہوسکیگی اور کبھی بھی وہ ملک کے لئے مفید

وجود نہیں بن سکینگے پس میرے نزدیک ایک ایسی آرگنیزیشن کا ہونا نہایت ضروری ہی خواہ اسے مسلم لیگ کے نام سے موسوم کیا جائے یا کسی اور نام سے اور میں امید کرتا ہوں کہ اس اجلاس میں آپ لوگ اس امر پر ایک متفقہ فیصلہ کر کے جلسہ کو برخاست کرینگے کہ ایک ایسی آرگنیزیشن ہو۔ اور وقتی نہیں بلکہ مستقل ہو۔ گو پچھلے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے تو اس امر پر اتفاق کا ہو جانا بھی ایک بہت بڑی بات ہی لیکن اس سے بڑھکر یہ مشکل سوال ہے کہ یہ نظام کن قوانین کیمطابق کام کرے اور درحقیقت یہی سوال ہے جسکا حل ہیں کوئی مستقل نفع دیسکتا ہے۔

جیسا کہ اس جلسہ مسلم لیگ کے بانیوں کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے اور جیسا کہ ضروریات وقت سے ظاہر ہی اسوقت ایک ایسی مجلس کی ضرورت ہے جو تمام مسلمانوں کے قومی فوائد کی نگرانی کرے نہ کہ کسی خاص نقطۂ خیال کی۔ اگر آپ لوگوں کے نزدیک کسی خاص نقطۂ خیال کی اشاعت یا اسکے مطابق عمل کرنیکی ضرورت ہوتی تو آپ لوگ مسلم لیگ کے نام کے نیچے جمع نہ ہوتے بلکہ اس انعقاد کا کوئی اور نام رکھتے۔ کیونکہ مسلمان کہلانیوالے سب کے سب آدمی گو کلمۂ شہادت پر تو جمع ہیں لیکن کسی خاص سیاسی خیال پر جمع نہیں ہیں اور نہ جمع ہو سکتے ہیں اور اگر کسی خاص سیاسی خیال پر جمع کرنا مقصود ہوتا تو اس کیلئے مسلم کی شرط لگانیکی ضرورت نہ تھی۔ سیاسی خیالات میں تو نہ صرف یہ کہ ہم ہر ایک قوم کے ساتھ مل سکتے ہیں بلکہ ہمیں انکو اپنے ساتھ ملانیکی پوری کوشش کرنی چاہیئے پس مسلم لیگ کے نام اور بانیانِ جلسہ کی تحریرات کو اگر حقیقت کا جامہ پہنانا ہی تو ضروری ہے۔ کہ اس آرگنیزیشن کو ایسے اصول پر قائم کیا جائے۔ کہ اسمیں ہر قسم کے سیاسی خیالات کے آدمی جمع ہو سکیں تا اسکا وہی حشر نہو جو پہلی مسلم لیگ کا ہو چکا ہے یعنی ایک ہی اہم اختلاف پیدا ہوا اور مسلم لیگ ٹوٹ کر دو مجلسوں میں تقسیم ہو گئی۔ اگر پہلی لیگ واقع میں مسلم لیگ ہوتی نہ کہ سوراج لیگ یا لبرل لیگ تو وہ افتراق کیوں واقع ہوتا جو اس سے پہلے واقع ہو چکا ہے۔

پس اگر آپ لوگ مسلم لیگ بنانا چاہتے اور اسی قسم کی لیگ کی ضرورت بھی ہے تو اسکو کسی خاص سیاست سے وابستہ نہ کریں بلکہ اسے حقیقی معنوں میں مسلم لیگ بنائیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک لفظ اپنے اپنے دائرہ میں الگ معنے رکھتا ہی لفظ مسلم کی تعبیر مذہبی نقطہ خیال سے اور ہے اور سیاسی نقطہ خیال سے اور۔ مذہبی نقطۂ

خیال سے تو مختلف فرقِ اسلام کے نزدیک وہ لوگ مسلم ہیں جو ان اصولی مسائل میں جنہیں وہ اپنے نزدیک بنائے اسلام رکھتے ہیں متفق ہوں۔ اور سیاسی نقطہ خیال کے مطابق ہر شخص جو رسول کریمؐ پر ایمان لانیکا مدعی ہے اور آپ کی شریعت کو منسوخ نہیں قرار دیتا اور کسی جدید شریعت کا قائل نہیں ہے لفظ مسلم کے دائرہ کے اندر آجاتا ہے۔

جبتک جملہ فرقِ اسلام اپنے آپکو اسلام کیطرف منسوب کرتے ہیں غیر مذاہب کا سلوک ان سب سے ایک ہی طرح کا ہوگا۔ وہ سیاستاً انمیں کوئی امتیاز نہیں کرینگے اور جبتک دنیا سیاسی معاملات میں ہر فرقہ سے جو مسلمان کہلاتا ہے سیاستاً ایک سا سلوک کریگی اسوقت تک اسلام کی اس تعبیر کو جو اوپر بیان ہوئی ہے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بغیر اس فرق کے سمجھنے کے نہ باہمی امن ہو سکتا ہے نہ باقی دنیا کے مقابلہ میں اسلامی حقوق کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ پس مسلم لیگ کے یہ معنے نہیں کئے جا سکتے کہ ان مسلمانوں کی انجمن جن کو بعض خاص فریق کے علماء مسلمان کہتے ہیں بلکہ اسکے یہ معنی ہونگے کہ ان تمام لوگوں کی انجمن جو اپنے آپ کو اسلام کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کسی اسلام سے پہلے یا اسلام کے ناسخ دین کے قائل نہیں۔ سیاسی معاملات میں جبتک کہ اختلاف کی بنیاد مذہب کی بجائے سیاست پر نہ رکھی جائے گی اسوقت تک ہرگز امن نہیں ہو سکتا پس ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے دروازے ہر ایک اس فرقہ کیلئے کھلے ہوں جو اپنے آپکو مسلم کہتا ہے خواہ اس کو دوسرے فرقوں کے لوگ مذہبی نقطۂ نگاہ سے کافر ہی سمجھتے ہوں اور اسکے کفر پر تمام علماء کی مہریں ثبت ہوں۔

اس امر کے بیان کر دینے کے بعد کہ مذہبی طور پر کون کون سے فرقے اس لیگ میں شامل کئے جانے چاہئیں اب میں پھر اصل مضمون کو لیتا ہوں کہ جب ایک مسلم لیگ کی ضرورت ہے نہ کہ کسی خاص سیاسی نقطۂ نگاہ کی پابند جماعت کی تو ہمیں مسلم لیگ کے قواعد بھی ایسے ہی بنانے چاہئیں جو ہمیں کسی خاص سیاسی نقطۂ نگاہ کا پابند نہ بناتے ہوں بلکہ اس کے قواعد کو ایسا وسیع بنانا چاہیئے کہ ہر سیاسی نقطۂ نگاہ کے لوگ اس میں شامل ہو سکیں اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ انجمن سب مسلمانوں

کی نمائندہ نہیں بن سکیگی اور صرف ایک خاص قسم کے خیالات کی پابند جماعت کی نمائندہ ہوگی پس اسکو تمام مسلمانوں کی نمائندہ مجلس بنانے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے دروازے ہر ایک خیال کے لوگوں کے لئے کھلے رکھے جاویں اور اس کی ممبری کے لئے سوائے دعوائے اسلام کے اور ہندوستانی ہونے کے اور ایک مقررہ رقم چندہ کے طور پر دینے کے اور کوئی شرط نہیں ہونی چاہیئے۔ ہر ایک جو ان شرطوں کو پورا کرتا ہے خواہ وہ سوارج کا قائل ہو خواہ وہ ہوم رول کا دلدادہ ہو۔ خواہ وہ کامل حریت کا شیدائی ہو خواہ وہ امن پسندوں میں ہو خواہ وہ خوشامدیان سرکار میں سے سمجھا جاتا ہو خواہ وہ ہندو مسلم اتحاد کا والہ ہو اور خواہ مسلمانوں کے کامل طور پر الگ رہنے کے اصل کا شیدا اسکو حق ہونا چاہیئے کہ وہ اس لیگ کا ممبر بنے اور اپنے خیالات سنائے اور دوسروں کے سنے اور اگر اس سے ہوسکے تو دوسرے لوگوں کو اپنا ہمخیال بنا کر اپنی ہم عقیدہ جماعت کو بڑھائے اور اپنی قلت کو کثرت سے بدل دے۔

جبتک اس اصول پر کام نہ کیا گیا اسوقت تک کبھی صلح نہیں ہوسکتی کبھی امن نہیں ہوسکتا اور کبھی ترقی نہیں ہوسکتی۔ اس سے زیادہ تنگ ظرفی اور کیا ہوگی کہ ہم ظاہر تو یہ کریں کہ ہم ایک ایسی انجمن تیار کرتے ہیں جو سب مسلمانوں کی نمائندہ ہوگی لیکن عملاً ہم صرف انہی کو اسکے اندر شامل ہونیکا موقعہ دیں جو سیاستاً ہمارے ہم خیال ہیں اور دوسروں کو قانوناً یا عملاً تنگ کرکے باہر نکالدیں۔

ہمارے ہندو بھائی بھی اس نکتہ کی پوری حقیقت کو ابھی نہیں سمجھے لیکن پھر بھی مسلمانوں کی نسبت انمیں رواداری زیادہ ہے اور اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ پچھلوں دنوں کے اختلافات کے دوران میں ہندو لیڈروں نے جو کانگریس کے نئے طریق کی تائید میں تھے پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب کو باوجود اس کے کہ وہ اختلاف رکھتے تھے نہایت ادب کے ساتھ دیکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ان پرانے کارکنوں کو جنہوں نے اپنی عمریں انکی بہتری کیلئے خرچ کردی تھیں بہت بری طرح سے اپنے سے الگ کردیا اور انکو آئندہ خدمت کرنیسے محروم کردیا۔ ہندوؤں نے اپنی پالیسی سے فائدہ بھی اٹھایا۔ ایکطرف کانگریس کے میدان عمل میں بھی وہ معتبر ہے اور گورنمنٹ سے بھی انہوں نے ساتھ کے ساتھ

فائدے اٹھائے مگر مسلمانوں نے اپنے پرانے کارکنوں کو ذلیل کر کے ایک اخلاقی جرم کا ارتکاب بھی کیا اور دنیوی فائدہ بھی کوئی نہیں اٹھایا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اتحاد کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ ہم اختلاف کو سننا اور دیکھنا برداشت کر سکیں اختلاف کو چھپانا یا اختلاف پر قطع تعلق کر لینا کبھی سیاست میں کامیاب نہیں کرتا۔ سیاسی کامیابی کا ایک ہی گر ہے کہ جب اختلاف ہو تو ہم اس اختلاف کو تسلیم کریں اور دلائل سے اسپر غالب آنیکی کوشش کریں نہ کہ قطع تعلق سے اسکو دبانیکی سعی۔

اب یہ سوال رہجاتا ہے کہ مختلف خیالات کے لوگ آپس میں ملکر کیونکر کام کر سکتے ہیں؟ میرے نزدیک اسکا حل آسان ہے ہمیں یہ کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ ہم ہر ایک کو اپنے خیال کا تابع بنائیں اور نہ ہم اسکو قبول کر سکتے ہیں کہ لیگ بحیثیت لیگ کچھ بھی نہ کرے کیونکہ اس صورت میں عملی میدان میں اسکا عدم اور وجود برابر ہو جائیگا۔ ہمیں جو کچھ کرنا چاہیئے اور جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ لیگ کے قواعد اس طریق پر بنائے جائیں کہ لیگ کے ممبروں کی کثرت رائے کا فیصلہ اسکے ممبروں کے لئے واجب الاطاعت نہ ہو وہ صرف لیگ کے انتظام کیلئے واجب الاطاعت ہو یعنی لیگ کی آرگنیزیشن صرف اسی فیصلہ پر عملدرآمد کرنے کی کوشش کرے جو لیگ کے ممبروں کی کثرت رائے سے ہوا ہے اور لیگ کے فنڈ صرف انہی تحریکات کی تائید میں خرچ ہوں جنکی تائید کثرت رائے نے کی ہو اور قلیل التعداد رائے والی جماعت اپنی علیحدہ آرگنیزیشن قائم کر کے اور اپنا الگ سرمایہ جمع کر کے اپنے خیال کی اشاعت کرے جسطرح کہ انگلستان میں مختلف پارٹیوں میں دستور ہے کہ جو پارٹی حکومت پر قابض ہوتی ہے اسکے وہپ کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے اور دوسری پارٹیوں کو اپنے پاس سے اپنے وہپس کو تنخواہ دینی پڑتی ہے۔ اس صورت میں لیگ کی آرگنیزیشن پر وہی لوگ قابض ہو سکینگے جو اس کے اندر کثرت رائے رکھیں گے اور اسکے عہدہ داروں کے لئے لازمی ہوگا کہ یا تو وہ اپنے آپ کو کثرت رائے کے تابع کریں اور عملاً کثرت رائے کے منشاء کے پورا کرنے پر آمادگی ظاہر کریں یا پھر اپنے عہدہ سے الگ ہو جائیں۔

مگر یہ ضروری ہوگا کہ لیگ کا ایک مستقل عملہ ہو جو اپنے آپ کو بالکل غیر جانبدار رکھے

لیگ کی سیاسیات میں بالکل حصہ نہ لے جو نقطۂ نگاہ بھی کسی وقت لیگ کی کثرت رائے کو اپنے ساتھ متفق کر لے وہ عملاً اس کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے۔ اگر لیگ ان اصول پر قائم ہو تو کسی جماعت کو بھی اس میں شمولیت میں عذر نہ ہوگا۔ باغیانہ خیالات کی حد کو پہنچے ہوئے لوگوں سے لیکر گورنمنٹ کی خوشامد کرنے والے لوگوں تک سب اسمیں شامل ہو سکتے ہیں اور اس کے ذریعے سے مسلمانوں کو اسقدر فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ اسکا اندازہ اس وقت پوری طرح نہیں لگایا جا سکتا۔

لیگ کے انتظام کے متعلق میں ایک اور بات کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ صرف لیگ کا یہ کام نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی غیروں کے مقابلہ میں حفاظت کرے بلکہ اسکا یہ بھی کام ہونا چاہیئے کہ وہ مسلمان جماعتوں کی آپس کی سیاسی لڑائیوں اور ایک دوسرے کی حق تلفیوں کا بھی فیصلہ کرے اور مختلف جماعتوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرے تاکہ اختلافات باہمی بڑھکر خود لیگ کے لئے ہی صدمہ کا موجب نہ ہو جائیں۔

ایک امر اور لیگ کی کارروائیوں میں مدنظر رہنا چاہیئے اور وہ یہ کہ کثرت رائے کے فرائض میں یہ امر شامل ہونا چاہیئے کہ وہ قلیل التعداد جماعتوں کے نمائندوں کے جائز ادب اور احترام کی حفاظت کرے اور وہ غیر شریفانہ رویہ جو بعض اوقات پبلک جلسوں میں قلیل التعداد لوگوں کے خلاف برتا جاتا ہے اور ان کی باتیں سننے سے انکار کر دیا جاتا ہے اس کو روکے۔ بیشک یورپ کی پارلیمنٹوں میں بھی ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک جماعت اپنے مخالف خیال کے لوگوں کی ہتک کر دیتی ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کی ہر ایک بات قابل تقلید نہیں ہے وہ اگر یہ حرکات کرتے ہیں تو وہ معذور ہیں۔ ان کے سامنے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوہ موجود نہیں ہے اور آپ کے سامنے ہے۔ اور ان کے پاس زندہ کتاب موجود نہیں ہے مگر آپ کے پاس ہے۔

اب میں دوسرے امر کو لیتا ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد کو کیونکر قائم کیا جائے ؟ اس

سوال کو حل کرنے سے پہلے ہمیں پہلے ایک اور سوال کو حل کر لینا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف کیوں ہے؟ میرے نزدیک اس سوال کے چار جواب ہیں:-

۱- صلح کرتے وقت ان اختلافات کو نہیں دیکھا گیا جو دونوں جماعتوں میں پائے جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان اختلافات کے مٹانے یا ان کے بد اثر کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی صرف اس جذباتی دلیل کے زور سے صلح کرا دی گئی کہ ہم ایک ملک کے باشندے ہیں، ہم میں کوئی اختلاف نہیں پس ہمیں صلح کر لینی چاہیئے۔ چونکہ اختلاف حقیقی تھا اور صلح بناوٹی۔ حقیقت آخر بناوٹ پر غالب آ گئی اور لوگوں کو اپنے اختلافات نظر آنے لگ گئے۔ چونکہ لوگوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ اختلاف نہیں۔ نہ یہ کہ اختلاف تو ہے مگر اس اختلاف کے بد اثرات کو روکنے کے لئے تم فلاں فلاں تدابیر کر سکتے ہو اسلئے جب اختلافات لوگوں کو نظر آنے لگے تو وہ آپس میں لڑ پڑے۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ شاید یہ اختلاف اب پیدا ہوئے ہیں حالانکہ وہ اختلافات ہمیشہ سے تھے۔

۲- دوسرا نقص یہ ہوا کہ صلح کے شوق میں بین الاقوامی تعلقات کی حد بندی نہیں کی گئی۔ اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا کہ ملکی اور غیر ملکی سوال کے ساتھ ایک قومی اور غیر قومی کا سوال بھی لگا ہوا ہے اور فطرت انسانی اس کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ خیال کر لیا گیا کہ جب ہندوستانی سب کو قرار دیا گیا ہے تو اب سب آپس میں نیک سلوک ہی کرینگے اور یہ بات بالکل بھلا دیگئی کہ ہندو بھی تو آپس میں ایک سا سلوک نہیں کرتے اگر ایک ہندو کے سامنے اور ہندوؤں کا معاملہ آ جائے اور ایک اسکا بھائی ہو دوسرا غیر تو وہ طبعاً اپنے بھائی کی حمایت کرتا ہے۔ پس ہندو گو غیر ملکیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں مگر ملک کی دولت سے فائدہ اٹھاتے وقت بالطبع ہر ایک قوم اپنے عزیزوں کا لحاظ کریگی اور قلیل التعداد اور تعلیم اور رسوخ میں پیچھے رہنے والی قوم لازماً سخت نقصان اٹھائیگی اور صلح کا زمانہ ہی جبکہ قلیل التعداد جماعت اپنے حقوق کی حفاظت سے غافل ہوگی شقاق اور نفاق کے بیج کو نشو و نما دینے والا ثابت ہوگا۔ اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ جبکہ حقوق کی حد بندی نہیں کی گئی تو جو لوگ سمجھدار ہیں اور حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ ضرور ایک دوسرے پر بدگمان رہینگے اور بلا تصفیہ حقوق کے ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کر سکینگے جسکا لازمی نتیجہ فساد اور عناد ہوگا -

۳۔ تیسری یہ غلطی ہوئی کہ خیال کر لیا گیا کہ ہمارے سوا ہندوستان میں کوئی اور نہیں بستا اور ان لوگوں کی طاقت کا بالکل اندازہ نہیں کیا گیا جن سے مقابلہ تھا۔ حالانکہ یہ طبعی بات ہے کہ جن لوگوں کے خلاف کوئی سمجھوتہ کیا جائے وہ ضرور اس سمجھوتہ کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سمجھوتہ جو ہندو مسلمانوں کے درمیان میں ہوا تھا ایک طرف تو موجودہ گورنمنٹ کے خلاف تھا دوسری طرف دوسری اقوام ہند پر اسکا بد اثر پڑتا تھا۔ اور خود ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے بعض فریقوں کے خلاف تھا۔ بعض لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور آخر وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

۴۔ مسلمانوں کے جن نمایندوں نے ہندو مسلم اتحاد کے مسودہ کا فیصلہ کیا انہوں نے انجام پر ایسے گہرے طور پر غور نہیں کیا جیسے کہ ان کو غور کرنا چاہیئے تھا۔

اِن چار نقائص کا نتیجہ یہ ہؤا کہ صلح قایم نہ رہ سکی اور ملک میں اور بھی فساد پھوٹ پڑا جیساکہ وہ لوگ جانتے ہیں جن کو میرے ان لکچروں کے سننے کا موقع ملا ہے جو میں نے گزشتہ پانچ سال میں ان معاملات کے متعلق دیئے ہیں یا میری تحریرات کے پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ میں ان امور کی طرف شروع سے توجہ دلاتا رہا ہوں اور اس نتیجہ سے ڈراتا رہا ہوں جو اب نکلا ہے۔ میرے نزدیک ہندو مسلم اتحاد کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کی بنیاد مندرجہ ذیل اصول پر رکھی جائے۔

۱۔ اس امر کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اختلاف کا اصل باعث ان کمیٹیوں سے پیدا نہیں ہوتا۔ جن میں کہ مختلف قوموں کے نمایندے جمع ہوکر فیصلے کرتے ہیں بلکہ اسکا اصل باعث ان کروڑوں آدمیوں میں پیدا ہوتا ہے جن میں سے بہت سے لوگ اس امر کو بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اتحاد کا کیا فائدہ ہے۔ اور اس کا خیال رکھنے کی ان کو کیا ضرورت ہے وہ اس امر کی قابلیت نہیں رکھتے کہ مآل اندیشی سے کام لیں بلکہ وہ صرف اس امر کو دیکھتے ہیں کہ ہمارے ٹھیس کھائے ہوئے جذبات کا کوئی بدلہ ضرور ملنا چاہئے پس کوئی اتحاد قائم نہیں رہ سکتا جبتک کہ ان لوگوں کے جذبات کو مد نظر نہ رکھا جائے فتنہ کو مٹایا نہ جائے اور اس غرض کے پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عوام الناس سے ان قربانیوں کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ جن کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے۔ اگر انکی روایات اور عادات اور جذبات کے

ان سے مطالبہ کیا جائیگا تو وہ کبھی اسکو برداشت نہیں کر سکینگے اور لیڈر خواہ کسقدر ہی فراخ دلی کا ثبوت دیں عوام الناس کو وہ اپنے ساتھ شامل نہیں رکھ سکیں گے۔

پیچھے جو سمجھوتہ اس غرض کے پورا کرنیکے لئے کیا گیا تھا اسمیں یہ شرط کی گئی تھی کہ گائے کی قربانی کو مسلمان بہ طیب خاطر چھوڑ دیں۔ یہ سمجھوتہ عام مسلمانوں کے قومی جذبات اور احساسات بلکہ ان کی تمدنی ضروریات کے بھی غیر طبعی تھا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فسادات اور بھی ترقی کر گئے۔ علاوہ ازیں سیاستاً بھی یہ سمجھوتہ درست نہ تھا۔ اگر مسلمان لیڈر جو اس سمجھوتے میں شامل ہوئے تھے ہندو قوم کی بناوٹ پر غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ گائے کا سوال مذہبی نہیں بلکہ پولٹیکل ہے خود ویدوں میں ہم لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ ست جگ میں اور رشیوں کے زمانہ میں ہندوستان میں علی الاعلان گائے کے گوشت کے کباب بنائے جاتے تھے اور کھائے جاتے تھے۔ اور آج سے کچھ عرصہ پہلے سوائے پنجاب کے ہندوستان میں گائے کی قربانی علی الاعلان ہوتی تھی پھر اب جو اس سوال کو اٹھایا گیا ہے تو کیوں؟ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال سے ہندو قوم میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہندو مذہب کی تعریف کیا ہے بڑے بڑے مدبروں نے غور کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندو مت ایک مذہب نہیں بلکہ مختلف مذاہب کے مجموعہ کا نام ہے جو بیرونی حملہ آوروں کے حملوں کے روکنے کیلئے ایک نام کے نیچے جمع ہو گئے تھے اس زمانہ میں جبکہ جتھا داری اور کثرت قومی ایک نہایت ضروری امر سمجھا جاتا ہے اس انکشاف کا اثر جو ہندو لیڈروں پر ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہی ہے۔ ان سے یہ امر مخفی نہ تھا کہ اگر یہ امر اہل ہنود کے مختلف فرقوں پر ظاہر ہوتا چلا گیا تو جس طرح سکھ الگ ہو گئے ہیں وہ فرقے بھی الگ ہو جائینگے اور ان کی موجودہ طاقت ٹوٹ جائیگی اس اندیشہ کو دور کرنیکے لئے انہوں نے یہ تجویز کی کہ مختلف ہندو فرقوں میں جو بڑے بڑے مابہ الاشتراک ہیں ان کو معلوم کرکے ان پر خاص طور پر زور دیا جائے اور انکو مذہب کی جڑ قرار دیا جائے تا اُس دائرہ میں سب ہندو قومیں جمع رہیں اور ان میں وحدت کا خیال پیدا ہو جائے۔

اس غرض کے پورا کرنیکے لئے جب انہوں نے ہندوستان کے مختلف مذاہب پر جو ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں غور کیا تو انکو تمام قومیں تین باتوں میں سے کسی نہ کسی پر جمع نظر آئیں (۱) بعض قومیں ویدوں کے الہامی ہونے پر متفق تھیں (۲) بعض تناسخ کے مسئلہ پر (۳) بعض گائے کی عظمت اور حرمت پر۔ غرض کل ہندو مذاہب ان تین مسائل میں سے کسی نہ کسی مذہب کے ماننے والے تھے جیسے مثلاً جینی وید کو نہیں مانتے لیکن تناسخ کے

قائل ہیں۔ سکھ تناسخ کو نہیں مانتے مگر گائے کی عظمت انکے دلوں میں بھی ہے بلکہ انہوں نے اس امر کو بھی معلوم کیا کہ ہندو مذاہب اسقدر وید پر جمع نہیں ہیں جسقدر کہ تناسخ اور گائے کی عظمت پر۔ پس انہوں نے زیادہ تر ان ہی مسائل پر زور دینا شروع کیا تاکہ سب ہندو فرقوں میں ایک وحدت کا رشتہ ایسا پیدا رہے جسکی وجہ سے وہ اپنے اندرونی اختلافات کو بھلائے رکھیں۔ انہوں نے خصوصاً گائے کی عظمت پر زور دیا کیونکہ پہلے دونوں امر اعتقادی ہیں اور اسقدر وحدت کے پیدا کرنیکا موجب نہیں ہو سکتے لیکن گائے کی عظمت ایک نظری چیز ہو اسکی وجہ سے ان کے جوش تازہ رہنے کی زیادہ امید تھی اس تدبیر سے انہوں نے مختلف مذاہب کو ایک ہی نام سے جمع رکھنے کی تدبیر نکالی۔ پس اس مسئلہ پر زور ہرگز شرعی جذبات کے سبب سے نہیں دیا جاتا بلکہ سیاسی ضروریات کے سبب سے۔ اگر مسلم لیڈر ان مضامین پر ہی اطلاع پا لیتے جو الٰہ آباد کے لیڈر اخبار میں ہندو مذہب کی تعریف کے متعلق ہندوؤں کے تمام سیاسی اور مذہبی لیڈروں کی طرف سے نکلتے رہے ہیں اور جو بعد میں کتابی صورت میں چھپکر شائع ہوئے ہیں تو ان پر اس امر کی حقیقت کھل جاتی۔

خلاصہ یہ کہ گائے کی عظمت ایک سیاسی مسئلہ ہے اور ہندو قوم کے لیڈروں نے اسے صرف ہندوستان میں پیدا ہونیوالے مختلف مذاہب کو ایک رشتہ میں منسلک رکھنے کیلئے ایجاد کیا ہے۔ پس مسلمانوں سے گائے کی قربانی کے ترک کرنیکا مطالبہ کرنا بالکل نادرست اور ناواجب ہے۔ یہ مسلمانوں کا فرض نہیں ہو سکتا کہ وہ ہندوؤں کے قومی اتحاد کے دواعی کو اپنے قومی وحدت کے دواعی کو ترک کر کے مہیا کریں

اتحاد کی بنا صرف اس امر پر رکھی جا سکتی ہے کہ ہر ایک قوم دوسرے کے مذہبی امور میں دخل نہ دے نہ اس پر کہ ایک قوم دوسرے کے مذہبی اور تمدنی امور کو اپنی مرضی کے مطابق طے کرانیکی کوشش کرے۔ کیا یہ بھی مثلاً صلح کا طریق کہلا سکتا ہے کہ انگریز کہیں کہ ہندوستانی انگریزی لباس اختیار کر لیں اور انگریزی زبان کو اپنی زبان بنا لیں تو ہم ان کو حکومت دیدیتے ہیں اگر انگریزوں کی طرف سے ایسا مطالبہ درست ہو سکتا ہے تو ہندوؤں کا مطالبہ بھی درست ہو سکتا ہے۔ مگر جس طرح انگریز اگر مذکورہ بالا مطالبہ کریں تو وہ درست نہ ہوگا اسی طرح ہندوؤں کا مطالبہ بھی نادرست ہے۔

خواہ کوئی کتنا بڑا لیڈر ہی کیوں نہ ہو وہ قانون قدرت کے خلاف نہیں جا سکتا اور یہ قانون قدرت ہے کہ صلح دوسرے کے خیالات یا اعمال کے چھڑوانے سے نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اس طرح ہو سکتی ہے

کہ ایک دوسرے کے ذاتی اعمال میں دخل نہ دیا جائے۔ ہندوؤں کا مسلمانوں سے گائے کی قربانی یا اسکے ذبح کے ترک کا مطالبہ کرنا ہرگز صلح کا موجب نہیں ہو سکتا ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ مسلمانوں کے ذاتی کاموں میں اور اُن کے اپنے اموال کے خرچ میں دخل دیں اور مسلمانوں کا کوئی حق نہیں کہ سکھوں ہندوؤں یا اور کسی قوم کے کاموں میں دخل دیں۔ ایک ہندو اگر مسلمان کے افعال میں دخل دینے بغیر صلح کے لئے تیار نہیں تو وہ ہرگز صلح کا جویاں نہیں اور ایک مسلمان اگر ہندو کے کاموں میں دخل دیئے بغیر صلح کرنیکے لئے تیار نہیں تو وہ ہرگز صلح کا طالب نہیں ہندوؤں کا کوئی حق نہیں کہ وہ صلح کی شرائط میں گاؤکشی کی بندش کو پیش کریں۔ اور مسلمانوں کا کوئی حق نہیں کہ وہ جھٹکے پر یا سور کا گوشت بکنے پر اعتراض کریں۔ اگر ہندوؤنکو گائے کے ذبح کرنیسے تکلیف ہوتی ہے تو ایک مسلمان کو بت پرستی اور سود کے لینے دینے پر تکلیف ہوتی ہے۔ کیا ہندو مسلمانوں کی خاطر بت پرستی یا سود کا لین دین چھوڑ دیں گے۔ خلاصہ یہ کہ صلح اس طرح نہیں ہو سکتی کہ ایکدوسرے سے انکے اعمال چھڑوائے جائیں بلکہ اس طرح کہ کوئی فریق دوسرے کے مذہبی امور میں دخل نہ دے۔ پس آئندہ بنیاد صلح اس امر کو مدنظر رکھ کر ڈالنی چاہیئے ورنہ وہ غیر طبعی ہوگی اور کبھی کامیاب نہ ہو سکیگی۔ ہر مذہب کے پیروؤں کو اپنے ذاتی اعمال میں پوری آزادی ہونی چاہیئے۔ مسلمانوں کو دسہروں وغیرہ کے جلوسوں پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے خواہ وہ کہیں سے نکالے جاویں اور ہندوؤں کو تعزیوں وغیرہ پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے خواہ وہ کہیں سے نکالے جاویں اسی طرح مساجد کے پاس سے اگر جلوس نکلیں تو مسلمانوں کو اس پر چڑنے یا ناراض ہونیکی کوئی وجہ نہیں یہ سب بچوں کی سی باتیں ہیں۔ اور سمجھدار لوگوں کو ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس وقت مسلمان باجماعت عبادت کر رہے ہوں اس وقت مساجد کے پاس اور جس وقت ہندو باجماعت عبادت کر رہے ہوں اس وقت مندر کے پاس شور نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں آزادی کا سوال نہیں رہتا بلکہ عملی ضرر کا سوال ہو جاتا ہے شور کی وجہ سے عبادت گزار عبادت نہیں کر سکتے اور شرافت کا اقتضا ہے کہ دوسرے کے کام میں حرج نہ کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہونی چاہیئے کہ ایکدوسرے کے بزرگوں کو گالیاں نہ دی جائیں۔ گالیاں دینا ہرگز کسی قوم کا فرض نہیں ہو سکتا اور اس سے زیادہ غیر شریفانہ بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایکدوسرے کے بزرگوں کو گالیاں دی جائیں۔ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۶ عرصہ ہوا کہ

اس سوال کو گورنمنٹ اور پبلک کے سامنے پیش کیا تھا۔ کہ ہندوستان میں اکثر فساد مذہبی اختلافات کے باعث سے ہوتے ہیں اور ان میں بھی ایک بڑا حصہ اس بدزبانی کے سبب سے ہوتا ہے جو ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی نسبت کرتے ہیں واقعات برابر اس صداقت پر سے پردہ اٹھاتے چلے آئے ہیں۔ اور اب جبکہ حق کھل چکا ہے ہمارا فرض ہے کہ ما بین الاقوام صلح کی تجاویز کرتے وقت اس ضروری امر کو نظر انداز نہ ہونے دیں۔ کون شخص اس صداقت کا انکار کر سکتا ہے کہ ہمارے ہندو وطن میں سے آریہ لوگ جس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں اسکا برداشت کرنا ایک غیرتمند انسان کیلئے ناممکن ہے اگر مسلمان مسلمان کہلانا چاہتے ہیں تو ان کے دلوں میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت بھی ہونی چاہئے ورنہ مسلم کہلانے سے کیا فائدہ۔ اور مسلم لیگ بنانیکی کیا غرض ہے مسلمانوں کی ہستی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود میں مخفی ہے اگر آپکی عزت کا ہم لوگوں کے دلوں میں خیال نہ ہو تو ہمارے مسلمان کہلا کر دنیا میں ایک الگ جماعت بنانیکا کیا فائدہ۔ تب ہمیں ہندو یا مسیحی ہو جانا چاہیئے کہ وہ قومیں ہم سے زیادہ اور طاقتور ہیں مسلم کہلانیکی تو اسیوقت تک ضرورت ہے جب اسلام میں ہمیں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جو دوسری جگہ نہیں ملتی اور جبتک اسلام میں ہمیں کوئی بھی خوبی نظر آتی ہے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپکے نام کے لئے غیرت دکھانیکے فرض سے ہم ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ پس صلح کیلئے یہ شرط سب سے پہلے ہونی چاہیئے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً اور دوسرے ائمۂ اسلام کو عموماً دوسرے مذاہب کے لوگ بدزبانی سے یاد نہ کریں اور اسی طرح مسلمان دوسرے مذاہب کے بزرگوں کے حق میں بدکلامی نہ کریں بغیر اسکے صلح نہیں ہو سکتی۔ جبتک کسی مسلمان کے دل میں ایمان کی خفیف سی خفیف چنگاری بھی جلتی ہے وہ آج نہیں تو کل رسول کریم کی محبت کیطرف کھینچا چلا جائیگا۔ اور ہزار صلح بھی ہو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنیوالی قوم سے صلح نہیں رکھ سکیگا۔ کیونکہ اس کے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ جنگل کے درندوں اور بن کے سانپوں سے تو وہ صلح کرلے لیکن ان بدبخت لوگوں سے صلح نہ کرے جو اس مقدس وجود کو گالیاں دیتے ہیں جس کے احسان کے نیچے ہماری گردنیں جھکی پڑتی ہیں اور جس کی جوتیوں کی خاک ہمارے سروں کے لئے باعث عزت ہے۔

تیسرا امر جسکے بغیر صلح مکمل اور دیرپا نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ اقوام آپس میں معاہدہ کریں کہ مذہبی مناقشات اور مباحثات میں محبت اور تحقیق کو چھوڑ کر لڑائی اور جھگڑے کی طرح نہ ڈالی جائے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیاسیات کے فیصلہ کے ساتھ مذہب کا کیا تعلق ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ جب دو قوموں میں لڑائی ہوتی ہے تو وہ کبھی اُسی مسئلہ تک محدود نہیں رہتی جس کے متعلق لڑائی ہو بلکہ وہ اپنا دامن وسیع کرتی ہے اور آخر ہر ایک چیز کا احاطہ کر لیتی ہے۔ پس اگر مذہبی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا یا اس کے اسباب موجود رہے تو کبھی بھی صلح قائم نہ رہے گی مگر سوال یہ ہے کہ یہ مدعا کس طرح حاصل کیا جائے؟ بعض لوگ اس کا یہ علاج بتاتے ہیں کہ مذہبی مباحثات کا سلسلہ ہی بالکل بند کر دیا جائے لیکن یہ تدبیر غیر طبعی ہے۔ ایک طرف تو افراد ملک کے اندر یہ جوش پیدا کرنا کہ ہر اچھی چیز کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہیئے اور دوسری طرف ان کو مذہب میں دلچسپی لینے سے روکنا یہ ایسی متضاد باتیں ہیں کہ کبھی جمع نہیں ہو سکتیں اور مذہب تو ایسی طاقت ہے کہ اسے یورپ کی مادہ پرستی نہیں دبا سکی۔ ایشیا کی بوئے عرفان سے بسی ہوئی ہواؤں کی موجودگی میں اس کی شگفتگی کو کون روک سکتا ہے۔

پس وہی تجویز یہاں کامیاب ہو سکتی ہے جو ایک طرف تو مذہب کی حدود میں دست اندازی نہ کرے اور دوسری طرف ایسی حد بندیاں مقرر کر دے جو فسادات کے احتمال کو یا بالکل روک دیں یا اس حد تک کم کر دیں کہ اُس کو آسانی اور سہولت سے دبایا جا سکے۔ اور یہ غرض میرے نزدیک صرف ان ہی تجاویز سے پوری ہو سکتی ہے جو الحکم العدل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام بانی سلسلہ احمدیہ نے پیش فرمائی ہیں۔ ہم بارہا گورنمنٹ کو ان کی طرف توجہ دلاتے رہے ہیں۔ لیکن گورنمنٹ ان کی خوبی کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو ناقابل عمل قرار دیتی رہی ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے کہ گورنمنٹ کا یہ جواب درست نہیں۔ یہ تجاویز بآسانی عمل میں آ سکتی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے ملک میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور میں آج آپ لوگوں کے سامنے ان کو اس امید سے پیش کرتا ہوں کہ شاید گورنمنٹ کے دخل کے بغیر آپس کے سمجھوتے سے ان پر عمل ہو سکے۔ اور ملک میں امن قائم ہو جائے۔

وہ تجاویز یہ ہیں:۔

۱۔ تمام مذاہب کے پیرو اس امر پر متفق ہو جاویں کہ وہ مذہب کے متعلق کوئی تصنیف یا تقریر کرتے

ہوئے صرف اپنے مذہب کی خوبیاں ہی بیان کریں گے۔ دوسرے مذہب پر حملہ بالکل نہیں کریں گے۔ اور ایسا عہد کر دینے پر ان کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی مذہب کی سچائی اس کی اپنی خوبیوں کے اظہار سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ دوسرے مذاہب کے نقائص کے بیان سے۔ اگر اس طریق تصنیف و بحث کو لوگ قبول کرلیں تو آئندہ مذہبی مباحثات اور مناظرات ایسے امن سے ہوں کہ کسی قسم کا فتنہ پیدا نہ ہو۔ اگر اس تجویز کو قبول نہ کیا جائے تو دوسری تجویز یہ ہے کہ

۲۔ ہر مذہب کے پیرو اپنی مسلمہ کتب کے نام لکھوا دیں اور جو شخص کسی مذہب کے متعلق کچھ لکھے اس کی مسلمہ کتب ہی کی بنا پر لکھے۔ اس وقت دیکھا جاتا ہے کہ محض جوش پیدا کرنیکے لئے قصوں اور کہانیوں کی کتب تک سے اعتراض درج کر لئے جاتے ہیں اور محض جھوٹی روایات کی بنا پر کتابیں اور مضامین لکھ کر دوسرے فریق کا دل دکھایا جاتا ہے اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہونی چاہیئے کہ اپنے مقابل فریق کے مسلمہ عقائد کے خلاف انکی طرف کوئی بات منسوب نہ کیجائے۔ یہ امر بھی فتنہ کو بڑھاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل ایک دوسرے کی طرف وہ باتیں منسوب کی جاتی ہیں جو طرفین کے ذہن میں بھی نہیں ہوتیں اعتراض صرف اس امر پر کرنا چاہیئے جسکا کوئی شخص مدعی ہو نہ کہ اسکی طرف ایک غلط عقیدہ منسوب کرکے پھر اس پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے جاویں۔ اگر یہ تجویز بھی قبول نہ کیجائے تو پھر تیسری تجویز یہ ہے

۳۔ کہ تمام مذاہب کے پیرو آپس میں معاہدہ کریں کہ وہ اعتراض اپنے مخالف پر نہ کریں جو خود ان کے مسلمات پر بھی پڑتا ہو۔ کیونکہ ایسے اعتراضات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصل غرض چڑانا اور جوش دلانا ہے۔ اس طریق کو اختیار کرنے سے بھی بہت سے جھگڑے بند ہو سکتے ہیں کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ مختلف مذاہب کے پیرو اکثر اعتراض ایسے کرتے ہیں جو خود ان کے مذہب پر بھی پڑتے ہیں۔

یہ تین تجاویز حضرت مسیح موعودؑ بانی سلسلہ احمدیہ نے بین الاقوامی مذہبی تعلقات کے بہتر بنانیکے لئے پیش فرمائی ہیں اور ان میں سے کسی ایک پر بھی اگر عمل کیا جائے تو فتنہ بہت کچھ رک سکتا ہے مگر پہلی تجویز پر عمل کرنے سے تو فتنہ کا بالکل ہی سد باب ہو جاتا ہے

چوتھا امر جس کا اظہار سمجھوتے کے وقت ہو جانا چاہیئے یہ ہے کہ

تبلیغ مذہب ہرگز منع نہیں ہوگی۔ اور ہر ایک قوم کا حق ہوگا کہ وہ اپنے مذہب کی اشاعت کرے۔ جو قوم اس شرط کو قبول کر لیتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرے گی۔ وہ گویا صریح الفاظ میں اس امر کو تسلیم کر لیتی ہے کہ اس کا مذہب جھوٹا ہے۔ پس یہ امید کرنی کہ سیاسی سمجھوتے کے ساتھ مذہبی تبلیغ بھی بند کر دی جائے یا دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کی کوشش ترک کر دی جائے ایک نہ پوری ہونے والی امید ہے۔ بلکہ ایک مجنونانہ خیال ہے۔ جس کو عقل دھکے دیتی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور طے ہو جانی چاہیئے کہ تبلیغ جائز طریقوں سے ہو اور اس کو باہمی مناقشات کا موجب نہ بنایا جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے تو اسکے جلوس نہ نکالے جائیں یا اس کی آمد پر اس قوم کے متعلق جس میں سے وہ آیا ہے طعن اور تشنیع کا طریق نہ اختیار کیا جائے۔ یا اسی طرح دنیاوی دباؤ سے کسی شخص سے مذہب نہ بدلوایا جائے۔ یا سیاسی طور پر قوموں کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ جیسا کہ ملکانوں کے متعلق ہوا کہ ان کو ہندو مذہب کی خوبیوں کے اظہار کے ذریعہ سے ہندو بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ مال کی لالچ زمینداروں کے دباؤ۔ اور اس قسم کی جھوٹی روایات کے ذریعہ سے کہ تم اصل میں ہندو ہو مسلمانوں کے دباؤ سے تمہارے باپ دادوں نے ظاہر میں مسلمان کہلانا شروع کر دیا تھا یا یہ کہ مہاتما گاندھی کو سب مسلمانوں نے اپنا پیشوا تسلیم کر لیا ہے اور ان کا فیصلہ ہے کہ سوراج تبھی ملیگا جب سب لوگ ایک قوم بن جاویں وغیرہ وغیرہ۔ مرتد کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی طرح بعض ہندو ریاستوں جیسے بھرت پور۔ الور میں علی الاعلان حکام نے دباؤ سے مسلمانوں کو ہندو کیا اور اب تک کر رہے ہیں یہ طریق تبلیغ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔ اور اس سے واضح الفاظ میں۔ کوئی قوم دوسری قوم کو لڑائی کا چیلنج نہیں دے سکتی + پانچویں بات جس کی وضاحت ضروری ہے یہ ہے کہ جو کام ایک قوم کر رہی ہو اس سے وہ دوسری کو روکنے کا حق نہیں رکھتی۔ مثلاً ہندو لوگ مسلمانوں سے چھوت کرتے ہیں مسلمانوں کو بھی حق ہونا چاہیئے کہ وہ ان سے چھوت کریں۔ اور اگر مسلمان چھوت کی تحریک اپنے ہاں جاری کریں تو اس پر ہندوؤں کو ناراض نہیں ہونا چاہیئے اور اسے صلح کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ اگر ہندو قوم چھوت کر سکتے

کہ باوجود ہندو مسلمان کی صلح ہو سکتی ہے۔ تو کیوں مسلمانوں کے چھوت کرنے سے صلح میں فرق پڑ جاتا ہے۔ ہندو صاحبان بیان کرتے ہیں۔ کہ ہمارا تو یہ مذہبی حکم ہے لیکن بفرضِ محال اگر ان کی یہ بات درست بھی ہو۔ تو بھی اس عذر کی وجہ سے مسلمانوں کا حق مارا نہیں جاتا۔ کیونکہ گو ہندو مذہبی حکم کی بنا پر چھوت کرتے ہوں۔ لیکن ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ پیدا ہو رہا ہے۔ کہ مسلمانوں کا کروڑوں روپیہ سالانہ ہندوؤں کے گھروں میں جا رہا ہے۔ اور ہندوؤں کا روپیہ مسلمانوں کی طرف نہیں آتا۔ اور اس کے سبب سے دولت ہندوؤں کے گھروں میں جمع ہو رہی ہے۔ اور مسلمانوں کو مالی طور پر سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور ان کی طاقت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ اوّل تو ہندو تجارت میں مسلمانوں سے یونہی بڑھے ہوئے ہیں۔ پھر اس چھوت کے مسئلہ نے کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت جو ملک کی سب بڑی تجارتوں میں سے ہے۔ بالکل ان کے قبضہ میں دیدی ہے۔ پس مسلمانوں کا حق ہے۔ کہ وہ ایسے طریق اختیار کریں۔ جن سے ان کا قومی وقار قائم رہے۔ اور ان کی دولت محفوظ رہے۔ اور ان کے اِس فعل کو منافی صلح نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ صلح کے یہ معنے نہیں۔ کہ کوئی اپنے آپ کو برباد کردے ؎

چھٹی بات جس کا فیصلہ صلح کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ وہ مختلف اقوام کے حقوق کا تصفیہ ہے۔ جو نیابتی مجالس اور خدمات سرکاری کے متعلق مختلف اقوام کو حاصل ہونے چاہیئں۔

اس امر کے تصفیہ میں پہلے سخت غلطی ہو چکی ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کا پہلا سمجھوتہ یہ تھا۔ کہ ان صوبوں میں جہاں کہ مسلمان کم ہیں۔ ان کی تعداد آبادی کی نسبت سے نیابتی مجالس میں ان کو زیادہ حق دیا جاوے۔ اور جہاں مسلمان زیادہ ہیں۔ وہاں ہندوؤں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے۔ اس سمجھوتے میں دو نقص تھے۔ ایک تو یہ کہ یہ سمجھوتہ دو قوموں میں تھا۔ حالانکہ ہندوستان میں کئی قومیں بستی ہیں۔ اس سوال کا کوئی حل نہیں سوچا گیا تھا کہ اس تقسیم کے وقت دوسری قوموں کو کس نسبت سے حق نیابت دیا جائیگا۔ چنانچہ پنجاب میں سکھوں کی موجودگی کی وجہ سے اس سمجھوتے نے مشکلات پیدا کردیں۔ دوسرا نقص یہ تھا

کہ اس سمجھوتے کے ماتحت مسلمانوں کو گو بمبئی - مدراس - یو - پی - بہار اور سی - پی میں ان کی تعداد سے زیادہ حق نیابت مل گیا - مگر پھر بھی وہ ان صوبوں میں قلیل التعداد ہی رہے - اور ان کی آواز برادرانِ وطن سے نیچی ہی رہی - لیکن اس کے مقابلہ میں پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی کثرت قلت سے بدل گئی -

جب یہ سمجھوتہ ہوا ہے - مَیں نے اسی وقت سے اس کے خلاف آواز اٹھانی شروع کی تھی - اور واقعات نے میری رائے کی صحت کو ثابت کر دیا ہے - مجھے تعجب ہوا - جب مَیں نے دیکھا کہ سمجھوتہ کرنے والے لوگ معاملات کی حقیقت سے بالکل ناواقف تھے - مجھے پرانی لیگ کے بعض پُرجوش ممبروں سے گفتگو کا موقع ملا ہے - اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی - جب مَیں نے مسلمانوں کے ان نمائندوں کو مسلمانوں کے حقوق سے بالکل ناواقف پایا - جب مَیں نے یہ نقص ان لوگوں کے سامنے پیش کیا - کہ مسلمانوں کو سب صوبوں کی مجالس نیابتی میں قلیل التعداد رہنے کی وجہ سے نقصان پہنچے گا - اگر بنگال اور پنجاب میں وہ کثیر التعداد رہتے تو یہ بہتر تھا بہ نسبت اس کے کہ دوسرے صوبوں میں ان کو کچھ حق زیادہ مل جاتا - کیونکہ پنجاب ہندوستان کا ہاتھ ہے - اور بنگال سر - ان دونوں جگہ کی طاقت سے مسلمان باقی صوبوں کے مسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھ سکتے تھے - تو انھوں نے مجھے جواب دیا - کہ صرف پنجاب کی ۲ فیصدی زیادتی کو قربان کیا گیا ہے - ورنہ بنگال میں تو مسلمان کم ہی ہیں - حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ بنگال میں مسلمانوں کی طاقت پنجاب سے بھی بڑھ کر ہے - واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ سودا مسلمانوں کو بہت مہنگا پڑا ہے - اور بہت سے فسادات کا موجب ہوا ہے - آئندہ معاہدہ ۲ قوموں کے درمیان نہیں ہونا چاہیئے - بلکہ ایسے اصول پر ہونا چاہیئے - کہ خواہ کتنی بھی قومیں کیوں نہ ہوں - ان کے حقوق کی حفاظت اس معاہدہ کے ذریعہ ہو جائے اور جھگڑے کی صورت ہی پیدا نہ ہو - اور نہ یہ نقص ہو - کہ کسی قوم کی کثرت قلت میں تبدیل ہو جائے ؂

میرے نزدیک اس کا طریق یہ ہے کہ مسلمان اپنا پہلا مطالبہ کہ ان کو بعض صوبوں میں ان کی تعداد سے زیادہ حق نیابت دیا جائے - چھوڑ دیں - مدراس یا بہار میں اگر وہ چند ممبریاں زیادہ بھی حاصل کر لیں - تو اس سے ان کو اس قدر فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا - جس قدر کہ بعض صوبوں میں

ان کی کثرت رہنے سے ان کو فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور آئندہ نظام اس طریق پر قائم کیا جائے۔ کہ ہر ایک قوم کو اس کی تعداد آبادی کے مطابق حق نیابت ملے۔ صرف یہ رعایت ہو کہ قلیل التعداد اقوام کو اگر ان کی تعداد اس حد تک پہنچے۔ کہ ان کو نصف ممبری کا حق ملتا ہو۔ تو ان کو ایک پوری ممبری کا حق دیا جائے۔ اور یہ حق کثیر التعداد قوم سے دلوایا جائے۔ بشرطیکہ اس کی کثرت قلت سے نہ بدل جائے۔ اور اسی طرح یہ استثناء کیا جائے۔ کہ جو اقوام کہ ملک میں اہمیت رکھتی ہوں۔ لیکن تعداد کے لحاظ سے ان کو ممبری کا حق نہ ملتا ہو۔ ان کو ایک ممبری کا حق دیا جائے ان استثناؤں کے سوا سب اقوام اپنی اپنی تعداد کے مطابق حصہ لیں۔ سوائے اُن ممبریوں کے جو خاص مفاد کی نیابت کرتی ہیں۔ ان میں قومی سوال کو بالکل اُٹھا دیا جائے۔ مگر یہ ممبریاں کم سے کم ہونی چاہئیں۔ اور استثنائی صورتوں میں سمجھی جانی چاہئیں ؛

نیابت مجالس کا سوال خواہ وہ مرکزی ہوں یا مقامی۔ تو اس طرح آسانی سے حل ہو سکتا ہے لیکن ملازمتوں کے متعلق حقوق کا سوال زیادہ پیچیدہ ہے۔ میرے نزدیک اس سوال کا کوئی ایسا حل نہیں نکل سکتا۔ جو اس سوال کو معقول طور پر حل کر دے۔ کیونکہ ملازمتوں کا سوال سو دو سو آدمیوں کا سوال نہیں۔ بلکہ لاکھوں آدمیوں کا سوال ہے۔ جس میں کام کی قابلیت کا بھی بہت حد تک دخل ہے۔ مگر فتنہ کے دُور کرنے کے لئے میرے نزدیک اگر مذکورہ بالا اُصول کے مطابق اِس کو بھی حل کیا جائے۔ تو ایک حد تک اس سے مشکل رفع ہو سکتی ہے۔ یعنی ہر قوم کو اس کی تعداد کے مطابق ملازمتوں میں سے حصہ دیا جائے۔ مگر ایسی پابندی نہ کی جائے کہ تھوڑا بہت فرق بھی نہ ہو۔ اگر کسی قوم کے حقوق میں کسی وقت دس پندرہ فی صدی کا فرق پڑ جائے۔ تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی قوم مستقل طور پر اس قسم کا فرق اپنے حق میں پیدا کرتی چلی جائے ؛

جس جس صوبہ میں جو قومیں ملازمتوں پر زیادہ قابض ہیں۔ ان کی بھرتی انہی اُصول کے ماتحت جو امپیریل سروس میں انگریزوں کی بھرتی کو کم کرنے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔ کم کر کے دوسری اقوام کو اس وقت تک بڑھایا جائے کہ وہ اپنے جائز حق پر قابض ہو جائیں۔ اسی طرح تعلیمی اخراجات میں بھی ان قوموں کو زیادہ حصہ دیا جائے۔ جو تعلیم میں پیچھے ہیں۔ اور چاہیئے کہ

ترقی یافتہ قومیں اس کو خوشی سے قبول کریں ؛

لیکن ممکن ہے۔ کہ کبھی یہ سوال پیدا ہو جائے۔ کہ کسی خاص کام کے لئے کسی قوم کے آدمی بالکل میسر ہی نہیں آتے یا کم میسر آتے ہیں۔ اگر ایسا ہو۔ تو اس قوم کی مجلس محافظہ حقوق کو موقع دیا جانا چاہیئے۔ کہ اگر وہ آدمی مہیا کر سکتی ہو کر دے۔ لیاقت کے معیار کے لئے یہ کافی ہونا چاہیئے۔ کہ امیدوار اس امتحان میں کامیاب ہو چکا ہو جس امتحان کا پاس کرنا اس کام کے لئے شرط مقرر کیا گیا ہے ؛

چھٹی شرط معاہدہ صلح کی یہ ہونی چاہیئے۔ کہ ہر ایک قوم کا انتخاب اسکی اپنی قوم کے افراد کے ذریعہ سے کیا جائے یعنی نہ صرف یہ شرط ہو۔ کہ ہر ایک قوم کو اس کی تعداد کے مطابق نیابت دی جائے۔ بلکہ یہ بھی شرط ہو کہ ہر قوم کے نمائندے صرف اسی کے ووٹوں سے منتخب کئے جاویں۔ ورنہ طاقتور اور ہوشیار قومیں دوسری اقوام کے ایسے ممبروں کے منتخب کرانے میں کامیاب ہو جائینگی۔ جو اپنی قوم کا نمائندہ کہلانے کی بجائے دوسری زبردست یا زیادہ تعلیم یافتہ قوم کا نمائندہ کہلانے کے لئے زیادہ حقدار ہونگے ؛

ساتویں احتیاط یہ ضروری ہے کہ ایسے قواعد تجویز کئے جائیں کہ جن کی موجودگی میں کثیر التعداد قومیں قلیل التعداد قوموں پر ظلم نہ کر سکیں یا ایسے قواعد نہ بنا سکیں۔ جو ان کے عقائد یا احساسات کے خلاف ہوں ؛ پچھلے سمجھوتے میں اس کا تدارک کرنے کے لئے یہ شرط رکھی گئی تھی۔ کہ کسی کے مذہب کے متعلق کوئی ایسا قاعدہ نہیں بنایا جا سکیگا۔ جب تک اس قوم کے تین چوتھائی نمائندے اسکے ساتھ متفق نہ ہوں۔ لیکن یہ سمجھوتہ کافی نہیں تھا۔ مذہبی اُمور میں دست اندازی بھی گو ممکن ہے۔ لیکن اس تعلیم کے زمانہ میں ایک قوم دوسری قوم پر اس طرح ظلم نہیں کیا کرتی۔ کیونکہ اُسے خوف ہوتا ہے۔ کہ دنیا کی رائے عامہ اس کے خلاف ہو جائیگی۔ پس اس امر کا چنداں خوف نہیں کہ کوئی حکومت کبھی اس امر کا قانون بنانا چاہے کہ مُسلمان روزے نہ رکھیں یا یہ کہ نماز نہ پڑھیں یا یہ کہ حج نہ کریں۔ جس امر کا خوف ہے وہ یہ ہے کہ ایسے قوانین نہ بنائے جائیں جو بظاہر تو سیاسی یا تمدّنی ہوں۔ لیکن ان کا اثر دوسری قوم کے مذہب یا اس کے وقار کے خلاف ہو۔ مثلاً گائے کی قربانی کو بند کر دیا جائے۔ اور مذہبی سوال کی بنا پر نہیں۔ بلکہ یہ کہکر

کہ ملک میں گائے کم ہو گئی ہیں۔ اس لئے زراعت اور دودھ گھی کی حفاظت کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔ اور یہ تمدنی سوال ہے۔ مذہبی نہیں۔ یا یہ کہ ایک سے زیادہ شادیوں کا قانون پاس کر دیا جائے۔ یہ ایسے اُمور ہیں کہ بظاہر تمدنی نظر آتے ہیں۔ لیکن ان مسائل میں اسلام کو ایک خاص تعلق ہے۔ گائے ہی قربان کرنے کا حکم مسلمانوں کو نہیں ہے۔ لیکن گائے کی قربانی کے معاملہ میں چونکہ ہندو مسلم تعلقات کو دخل ہے۔ اس لئے ایسا قانون سیاسی نہیں۔ بلکہ مذہبی دست اندازی سمجھا جائے گا۔ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا حکم اسلام نہیں دیتا مگر چونکہ اس اسلامی رخصت پر دنیا اعتراض کرتی ہے۔ اس امتیاز کے خلاف قانون پاس کرنے کے معنے یہی ہونگے۔ کہ اسلام کے احکام کے ناقص ہونے کا فیصلہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسے اُمور کا تقاضا سیاست ملکی نہیں کرتی۔ بلکہ اصلاح تمدن ان کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس ان امور میں کسی مذہب کی اجازت کے خلاف فیصلہ کرنے کے یقیناً یہ معنے ہیں۔ کہ اس کی اجازت کو ناواجب قرار دیا گیا ہے ؛

غرض جن اُمور میں اختلاف اور ظلم کا خوف ہے۔ وہ ایسے اُمور ہیں۔ کہ جن میں یا بین الاقوامی اختلاف ہے یا اسلام جنہیں دوسری قوموں کے سامنے محل اعتراض ہے پس سمجھوتے میں یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ مذہبی اُمور میں ایک قوم دوسری قوم کے خلاف منشاء قانون نہیں بنا سکتی بلکہ یہ بھی شرط چاہیئے۔ کہ اس کے مخصوص تمدنی قوانین کے خلاف بھی قانون نہیں بنا سکتی۔ اور نیز ان اُمور کے متعلق جو دو قوموں میں مابہ النزاع ہوں۔ جیسے گائے کی قربانی کا سوال ہے۔ اور پھر یہ بھی شرط ہونی چاہیئے۔ کہ ایسے اُمور میں نہ صرف مذاہب کے کثیر التعداد فرقوں کے خیالات کا احترام کیا جائیگا۔ بلکہ اگر قلیل التعداد فرقہ کثیر التعداد کے خلاف ہو۔ تو اس کے لئے بھی کوئی قانون اسکی مرضی کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ مثلاً اگر ایک امر کے متعلق حنفی المذہب ممبر متفق ہو جائیں۔ لیکن شیعہ یا اہلحدیث یا احمدی اسکے خلاف ہوں تو اس مذہبی یا تمدنی اُصول پر اثر رکھنے والے قانون کا ان پر نفاذ نہ ہوسکیگا ؛

آٹھویں بات جس کا تصفیہ اصلاح بین الاقوام کے لئے ضروری ہے یہ ہے۔ ایسے قوانین بنائے جائیں۔ جن کی مدد سے اس وقت کہ دو قوموں میں جھگڑا پیدا ہو جائے۔ فساد کو روکا

جاسکے۔ اور اس کو پھیلنے نہ دیا جائے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پچھلے تمام فیصلوں میں اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس لئے جب بھی فساد پڑا ہے۔ اس کا روکنا بالکل ناممکن ہو گیا ہے۔ کیونکہ فساد کی صورت کے رُدنما ہونے کے بعد طبائع جوش میں آجاتی ہیں۔ اور اس وقت ان کو وہی شخص اچھا لگتا ہے۔ جو ان کے جوش کے خیالات کا مؤید ہو۔ ایسے وقت میں بعض شہرت پسند آدمی اُٹھ کر مشتعل شدہ طبائع کو اور بھی بھڑکا کر ان کے لیڈر بن جاتے ہیں۔ اور فساد ان حدود سے نکل جاتا ہے۔ جنہیں اسے مقید رکھا جاسکتا تھا ٭

دوسرا یہ نقص ہوتا ہے۔ کہ چونکہ فسادات کے روکنے یا انکو آگے نہ بڑھنے دینے کے لئے کوئی ذریعہ قبل از وقت مقرر نہیں ہوتا۔ اس بات کے متعلق سوچتے سوچتے کہ اس کا کیا علاج کیا جائے۔ لوگ اس امر سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ کہ کوئی بیرونی طاقت ہمارا فیصلہ کریگی اور وہ خود ہی فیصلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جن کے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ظاہر ہی ہیں

تیسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ چونکہ ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جس سے صحیح طور سے کسی فریق پر ذمہ واری عائد کی جاسکے۔ اس لئے ذمہ واری کے معین نہ ہونے کی وجہ سے ظالم فریق بھی شور مچاتا رہتا ہے کہ میں مظلوم ہوں۔ اور مظلوم فریق کا غصہ اس حالت کو دیکھ کر اور بڑھ جاتا ہے۔ اور یہ نقص بھی ہوتا ہے۔ کہ ذمہ واری کے معین نہ ہونیکے سبب سے ظالم فریق کے ہم مذہب بھی طبعاً اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ جس سے مظلوم فریق کے احساسات کو اور بھی ٹھوکر لگتی ہے ٭

اِن نقائص کے دُور کرنے کے لئے عام طور پر ہمیں مندرجہ ذیل اُصول کے ماتحت ایک خاص انتظام ہندوستان کی اقوام کے ساتھ مِلکر کرنا چاہیئے ٭

ہر تین سال کے لئے ایک محکمۂ تفتیش تمام اقوام ہند کی طرف سے مقرر کیا جائے۔ جس کا یہ کام ہو۔ کہ بین الاقوامی فسادات کے موقعہ پر اصل اسباب کو معلوم کرے۔ اور اس کے متعلق اپنی رپورٹ کو فوراً شائع کرے۔ اس جماعت میں ہندو مسلمان سکھ پارسی اچھوت اقوام اور مسیحوں وغیرہ کے نمائندے ہوں۔ جن کو مندرجہ ذیل طریق سے یا اور کسی احسن طریق سے منتخب کیا جاسکتا ہے۔ دو ثلث نمائندوں کو تو خود ان قوموں کی انجمنیں منتخب

کریں ۔ اور ایک ثالث نمائندے تمام اقوام ہند میں سے مذکورہ بالا منتخب شدہ نمائندے منتخب کریں ۔ اِس انتخاب میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے ۔ کہ ہر صوبہ میں اِس مجلس کے نمائندے موجود ہیں ۔ تاکہ کسی قوم کی نمائندہ جماعت کی اپیل پر فوراً وہ مقام ضرورت پر پہنچ کر واقعہ کی تفتیش کریں ۔ اس جماعت مفتشہ کے لیئے یہ ضروری ہونا چاہیئے ۔ کہ باقاعدہ تفتیش کرے دونوں فریق کو اپنے وکلاء (جن کے لیئے یہ شرط نہیں کہ قانونی معنوں میں وکیل ہوں) اور گواہ پیش کرنے کا اور دونوں طرف کے گواہوں پر جرح کا موقع دے ۔ اور مفصل بیانات و جرح لکھ کر باوجہ فیصلہ لکھے ۔ اس جماعت کو بہ رضامندی فریقین صلح کرانے کا بھی حق ہونا چاہیئے اس صورت میں اس کو مفصل تحقیقات کرنے کی ضرورت نہ ہوگی ۔ اس انتظام کی تفصیل اسی طرح طے کی جاسکتی ہے ۔ کہ ہر وقت فساد کے موقعوں پر ایک قابل اعتماد جماعت تفتیش کے لیئے جاسکے ۔ اور چونکہ یہ لوگ اختلاف کی صورت کے پیدا ہونے سے پہلے مقرر ہو چکے ہونگے ۔ اِس لیئے ان لوگوں پر لوگ اعتبار بھی کرینگے ۔ اور یہ خود بھی تعصب سے بہت حد تک محفوظ ہونگے ۔ اور جھگڑوں کے مٹانے یا ذمہ واریوں کے قائم کرنے میں بہت ممد ہونگے ٭

اگر صُلح نہ ہو ۔ اور تحقیقات کی بناء پر ایک فریق پر ظلم ثابت ہو جائے ۔ تو اس صورت میں اس فریق کے ہم قوموں یا ہم مذہبوں کا فرض ہوگا ۔ کہ وہ اسکی ہمدردی سے باز رہیں ۔ اور اسکو مجبور کریں ۔ کہ وہ اپنے ظلم کی تلافی کرے ۔ اور اگر ظالم ایسا نہ کرے ۔ تو اسے تمدنی سزا دیں ۔ اور اگر کوئی قوم اپنے ہمقوم ظالم سے ایسا معاملہ نہ کرے ۔ تو سمجھا جائیگا کہ اس قوم نے غداری کی ہے ۔ اور معاہدہ کو توڑ دیا ہے ٭

جس وقت تک کہ ملک میں یہ رُوح نہ پیدا ہو جائے کہ ظالم کی حمایت سے اجتناب کیا جائے خواہ ظالم اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو ۔ اُس وقت تک صلح ہرگز قائم نہیں رہ سکتی ۔ اور اگر یہ رویہ رہا کہ شاہ آباد کے مظالم پر ہندوؤں نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی ۔ اور مالابار کے مظالم پر مسلمانوں نے ۔ تو صُلح کا خیال کبھی بھی حقیقت کا جامہ نہیں پہنے گا ۔ اور ملک خونریزی اور فساد کی آفتوں سے کبھی بھی محفوظ نہیں ہو سکیگا ٭

نواں امر جو صُلح کے دائمی رکھنے کے لیئے ضروری ہے ۔ اور جس کے بغیر ایک دوسرے پر

اعتماد ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ یہ ہے۔ کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں۔ کہ یہ معاہدات ہمیشہ کے لئے قائم رہیں۔ اور اس امر کا امکان نہ رہے۔ کہ جب کوئی کثیر التعداد جماعت اس امر کو محسوس کرے کہ اب مجھے قلیل التعداد جماعتوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور میں اس کی مدد کے بغیر کام چلا سکتی ہوں۔ تو وہ ان معاہدات کے خلاف قانون پاس کرے۔ یا یہ قانون پاس کردے کہ اب ان معاہدات کی ضرورت نہیں رہی ؛

عام ملکی قواعد کی رُو سے ہر ایک حکومت کی کثرت رائے کو ایسا حق حاصل ہے۔ اور وہ ایسا کر سکتی ہے۔ پس اس کا سدباب ضروری ہے۔ کہ آیندہ کبھی مذکورہ بالا معاہدہ میں تبدیلی نہ ہو سکے۔ مگر ساتھ ہی اس امر کا خیال ضروری ہے۔ کہ بعض حالات ایسے پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن کی موجودگی میں وہی قوانین جو آج قلیل التعداد جماعتوں کے لئے رگِ گردن کی طرح ضروری ہیں۔ کل اس جماعت اور تمام ملک کے لئے مُضر ہوں۔ مثلاً انتخاب جُداگانہ کا قاعدہ ہی ہے۔ اگر تمام اقوام میں کامل اعتماد پیدا ہو جائے۔ اور دلی کدورتیں بالکل صاف ہو جائیں تو اس وقت اس قاعدہ پر کاربند رہنا ایسا ہی مُضر ہو گا۔ جیسا کہ اس وقت اس کا ترک کرنا۔ پس کوئی ایسی راہ بھی کشادہ رہنی چاہیئے۔ جس کے ذریعہ سے ایسے اوقات میں ازالہ نقص کیا جا سکے۔ ان سب اُمور کا لحاظ میرے نزدیک مندرجہ ذیل اُصول کے قبول کر لینے سے ہو جاتا ہے ؛

(ل) ان اقوام و مذاہب کو جو اس وقت ہندوستان میں موجود ہیں۔ ہندوستان سے باہر نکالنے یا ان کے حقوق کو دوسری اقوام کے مقابلہ میں محدود کرنے کا فیصلہ کرنے کا کبھی کسی کثیر التعداد جماعت یا جماعتوں کو حق نہ ہو گا ؛

یہ شرط گو اس وقت مضحکہ انگیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہندوستانی سچے طور پر حکومت خود اختیاری کے متمنی ہیں۔ تو ان کو ایسے امکانات کے احتمال کو بھی ماننا پڑیگا۔ اس قسم کا خیال آج سے پندرہ ۱۵ سال پہلے مشرقی افریقہ کے متعلق ایسا ہی مضحکہ انگیز تھا۔ جیسا کہ آج کل مذکورہ بالا خیال ہندوستان کے متعلق ہو سکتا ہے۔ مگر آج کل وہ ایک حقیقت بنا ہوا ہے۔ اور ہندوستانیوں کو پریشان کر رہا ہے ؛

(ب) جو امور کہ اس بین الاقوامی معاہدہ میں طے ہوں۔ وہ صرف اسی صورت میں بدلے جاسکیں۔ جب وہ مندرجہ ذیل حالات سے گذر جائیں:۔ (اوّل) وہ قوم جس پر معاہدہ کے کسی حصّہ کے بدلنے کا اثر پڑتا ہے اس کے مجلس نیابتی کے منتخب شدہ نمائندوں کی تین چوتھائی اس تبدیلی کو پسند کرے (دوم) اس کے بعد جب مجلس نمائندگان کا نیا انتخاب ہو۔ تو بشرطیکہ اس انتخاب اور پہلے فیصلہ میں کم سے کم دو سال کا فاصلہ ہو۔ پھر مجلس نمائندگان میں اس تبدیلی کے سوال کو پیش کیا جائے۔ اگر پھر بھی اس قوم کے نمائندے اس کو قبول کریں۔ تو پھر تیسری دفعہ منتخب ہونیوالی مجلس نمائندگان میں اس سوال کو پیش کیا جائے۔ بشرطیکہ اس تیسری دفعہ کی منتخب شدہ مجلس کا انتخاب دوسری دفعہ کے فیصلہ کے دو سال بعد ہُوا ہو جب اس طرح تین دفعہ کسی قوم کے نمائندوں کے تین چوتھائی ممبر کسی خاص حصّہ معاہدہ میں تبدیلی کو پسند اور منظور کرلیں۔ تو ایسی تبدیلی جائز ہو۔ اور اسے کانسٹی ٹیوشن کی تبدیلی قرار دیا جائے۔

لیکن اس پر بھی یہ مزید شرط لگائی جائے کہ اگر دس سال کے عرصہ میں پھر اس قوم کے مجلس نمائندگان کے ممبر کسی وقت کثرت رائے سے اصل معاہدہ کی تجویز کردہ حالت کی طرف لوٹنے کا فیصلہ کریں تو بعد کا تغیّر کالعدم ہوکر پھر اصل معاہدہ پر عمل کیا جائے۔

(ج) یہ کہ یہ معاہدہ ملک کی کانسٹی ٹیوشن میں داخل سمجھا جائے۔ اور اس کے خلاف کرنیوالی جماعت کو باغی قرار دیا جائے۔ خواہ وہ اس وقت مجلس نمائندگان میں کثرت ہی کیوں رکھتی ہو۔ اور ملک کی حکومت پر قابض ہی کیوں نہ ہو۔ اور اسکے خلاف ہر ممکن تدبیر کرنے کی اور اصل قانون کو قائم کرنے کی خواہ زور اور طاقت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری قوم یا قوموں کو اجازت ہو۔ اور ان کا یہ فعل بغاوت قرار نہ دیا جائے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان امور کو قبل از وقت کہینگے۔ لیکن پچھلی تاریخ اور موجودہ سیاست کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ ان امور کے آج ہی سے تصفیہ کرلینے کے بغیر قوموں میں باہمی اعتبار بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور نہ قلیل التعداد قوموں کے حقوق محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ان کے بغیر اگر صلح ہو گی۔ تو اس کے ساتھ یہ منافقت برابر جاری رہیگی کہ مسلمان بیرونی طاقتوں کے گھمنڈ اور ہندو اپنی تعداد مال اور علم کی زیادتی کے فخر میں زبان سے گو کچھ کہیں دلوں میں کچھ اور ہی کھچڑیاں پکاتے رہینگے۔ لیکن مذکورہ بالا تدابیر پر عمل کرلینے سے مَیں امید کرتا ہوں کہ اعتماد اور اعتبار کی صورت پیدا ہو جائیگی۔ اور اختلافات یا پیدا ہی نہ ہونگے یا ان کا فوراً انسداد ہوسکیگا +

اس جگہ میں یہ بھی لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان تدابیر پر کامل طور پر عمل تبھی ہو سکتا ہے جب علاوہ قومی مجالس کے کانگریس جو سب ملک کی نمائندہ ہونیکا دعویٰ کرتی ہے۔ اس کی بنیاد بھی انہی اصول پر رکھی جائے جو مسلم لیگ کے متعلق میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ تا وہ حقیقی طور پر سارے ملک کی قائم مقام ہو۔ جس طرح کہ اب وہ خاص خیال کے لوگوں کی قائم مقام ہے۔ کیونکہ اس صورت میں کانگریس تمام قومی مجالس کیلئے بمنزلہ ایک میزان کے ہو جائیگی۔ اور معاہدات کی پابندی کرنے میں ایک زبردست آلہ کا کام دیگی۔ مگر جب تک وہ اپنے دروازہ کو سب قسم کے خیالات کے لوگوں کے لئے نہ کھولے۔ اور مخالف خیال رکھنے والی جماعتوں کو اپنے صحن سے باہر کام کرنے پر مجبور کرتی رہے۔ اس سے ایسی امید رکھنی ناممکن ہے۔

اے برادران! یہ مختصر خاکہ ہے اس سکیم کا جس پر عمل کرنے سے میرے نزدیک مسلمانوں کے اپنے حقوق بھی محفوظ ہو سکتے ہیں۔ اور دوسری قوموں سے بھی ان کے تعلقات درست ہو سکتے ہیں۔ میں نے باوجود کم فرصتی اور کاموں کی کثرت کے آپ لوگوں کے سامنے اس سکیم کو پیش کر دیا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ جس اخلاص سے یہ لکھی گئی ہے۔ اسی اخلاص سے آپ اس پر غور فرمائینگے۔ مسلمانوں کی بہتری اور ہندوستان کیا کل دنیا کے امن کا خیال جس زور سے میرے دل میں موجزن ہے۔ آپ لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ اس امر پر شاہد ہے کہ میرا سینہ آپ لوگوں کی خیر خواہی کے جذبات سے پُر ہے۔ اور میرا دماغ ان خیالات سے معمور۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ اس کا ایک لفظ بھی بدلا نہیں جا سکتا۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ اس کی حقیقت اور اس کا مغز بالکل درست ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اور اس کی مشیت کے موافق ہے۔ ان میں سے کئی باتیں ایسی ہیں جن کی پہلے زمانہ مخالفت کرتا تھا مگر آج خود ادھر چلا آ رہا ہے۔ اور بعض ایسی ہیں کہ آئندہ واقعات ان کی تصدیق کر دینگے۔ مگر انشاء اللہ تم آپ لوگ دیکھیں گے۔ کہ ہوگا اسی طرح جس طرح میں نے لکھا ہے۔ صلح اور امن دنیا کی اہم ضروریات میں سے ہیں۔ اور ان کا پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔ لیکن ہر ایک چیز کے حصول کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ اگر ہم اس ذریعہ کو اختیار نہ کریں تو ہم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پس جب تک ہم اس ذریعہ کو اختیار نہیں کرینگے۔ جو صلح کے قیام کیلئے ممد ہے۔ ہم ہرگز صلح اور امن کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ آپ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے اپنے علاقہ میں رسوخ اور عزت دی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور میں دوسروں سے زیادہ جوابدہ ہیں۔ پس چاہیئے کہ بلا تعصب ان امور پر غور فرما دیں۔ جو میں نے پیش کیئے ہیں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی محنت رائیگاں نہیں جائیگی۔ آپ خدا تعالیٰ کے حضور میں بھی مبارک گنے جائینگے۔ اور آئندہ نسلوں میں بھی آپکا نام عزت سے قائم رکھا جائیگا۔ میں اس تحریر کے ذریعہ سے اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ اور اب آپ سے جدا ہوتا ہوں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

قدیم شیعیت میں سپرچوئلزم

یورپ والوں کو اپنی جدت طرازی پر بڑا ناز ہے۔ اور یہ ناز ایک حد تک بجا بھی ہے۔ گذشتہ سو پچاس برس سے جو عجیب و غریب مادی دنیا کے متعلق ایجادیں ظہور میں آئی ہیں۔ مثلاً بے تار کی خبر رسانی۔ ہوائی جہاز۔ فونوگراف۔ ٹیلیفون وغیرہ وغیرہ بجائے خود وہی کچھ کم حیرت انگیز نہ تھیں۔ کہ روحانیات میں بھی انہوں نے غور و پرداخت شروع کی۔ یہاں تک کہ فوت شدہ بزرگوں اور عزیزوں کی ارواح سے بھی ملاقات کرا دینے کا بڑے دھڑلے سے اعلان کر کے زندہ پس ماندگان کی ایک حد تک اشک شوئی کر دی۔ غرض روح انسانی کے متعلق تجسس و تفحص کرنا ایک مستقل فن قرار دیا گیا ہے جس کی باقاعدہ تحصیل و تکمیل مثل دوسرے علوم و فنون کے باکمال استادوں سے کی جاتی ہے۔ اور اسی علم کو سپرچوئلزم کہتے ہیں۔

اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ہمہ قسم دعاوی کہاں تک درست ہیں۔ اور آیا واقعی اُن کی تحقیق کسی صداقت پر مبنی ہے۔ یا اُن کے ذاتی تخیلات ہی کی بلند پروازی کا کرشمہ ہے۔ لیکن اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ اس علم لطیف کے موجد اوّل ہمیں ہیں اور ہم سے پہلے کسی فرد بشر کو اس راز سربستہ کا انکشاف میسر نہیں ہُوا تو ان کا یہ دعویٰ اوّلیت ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا۔ کتب شیعہ میں جو آج سے کئی سو سال پہلے کی تصنیف شدہ ہیں۔ ہم انشاء اللہ ایک نہیں دو نہیں بلکہ کئی ایک مرویات کا پتہ بتلا سکتے اور دکھا سکتے ہیں۔ جن میں زندہ لوگوں نے اپنے متوفّی بزرگوں کو ان مادی آنکھوں سے دیکھا اور نہ صرف دیکھا بلکہ بات چیت کا موقعہ بھی پایا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ ملاحظہ ہوں روایات ذیل:۔

(۱) مُلّا باقر مجلسی فرماتے ہیں۔ بسند ہائے معتبر بسیار از اں حضرت (امام صادق) روایت کردہ اند الیٰ آخرہ۔ حیات القلوب جلد ۲ باب ۶۵ حالات بعد دفن جناب رسالتمآب صفحہ ۶۶۹۔ ترجمہ بڑی معتبر اسناد سے امام موصوف (صادق) سے مروی ہے کہ جب ابوبکر منافق نے (خاک بدہان مجلس رافضی۔ خادم) امیر المومنین (علیؓ) سے خلافت چھین لی۔ تو انہوں نے اُس سے کہا کہ کیا رسول خداؐ نے تجھ کو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ اس منافق نے کہا کہ نہیں۔ اگر مجھ کو حکم دیتے تو میں کرتا۔ علیؓ نے فرمایا کہ اگر اب تو پیغمبرؐ کو دیکھے۔ اور تجھ کو حکم دیں کہ میرے تابع ہو جاؤ

توکیا تم ہوجاؤ گے ؟ ابوبکر نے کہا ہاں۔ علیؓ نے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ۔ مسجد قبا کی طرف۔ جب مسجد قبا میں پہنچے۔ ابوبکر نے دیکھا۔ کہ حضرت رسولؐ کھڑے ہیں۔ اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب حضرتؐ نماز سے فارغ ہوگئے۔ علیؓ نے کہا یا رسول اللہؐ ابوبکر انکار کرتا ہے اسی لئے کہ آپ نے اس کو میری اطاعت کا حکم فرمایا تھا۔ حضرت رسولؐ نے ابوبکر سے فرمایا کہ ہم تجھ کو دوبارہ حکم دیتے ہیں اس کی اطاعت کرنے کا۔ جاؤ اور اس کی اطاعت کرو۔ اسی پر ابوبکر بہت خائف ہوئے اور واپس ہوآئے۔ رستے میں عمر سے دوچار ہوئے۔ عمر نے پوچھا۔ کیوں کیا حال ہے؟ ابوبکر نے کہدیا کہ حضرت رسولؐ نے مجھ کو اس طرح امر فرمایا ہے۔ عمر نے کہا وہ اُمّت ہلاک ہوجائے جس نے تجھ جیسے سادہ لوح کو اپنا حاکم بنایا ہے۔ تجھکو معلوم نہیں کہ یہ سب بنی ہاشم کی شعبدہ بازیاں ہیں۔

(۲) درکتاب اختصاص و بصائر الدرجات و سائر کتب بسندہا ئے معتبر از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ چوں گریبان حضرت امیر المومنین را گرفتند برائے بیعت ابوبکر و سوئے مسجد کشیدند الیٰ آخرہ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۶۹) کہ ابوبکر کی بیعت کے لئے علیؓ کا گریباں پکڑا گیا۔ اور مسجد کی طرف کشاں کشاں لے گئے۔ تو وہ آنحضرت صلعم کی قبر کے برابر ہی کھڑے ہوگئے اور کہا جو کچھ کہ ہارونؑ نے موسیٰؑ کے جواب میں کہا تھا۔ کہ یا ابن اُمّ انّ القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی اے میرے بھائی اور اے میری ماں کے بیٹے واقعی قوم نے مجھ کو کمزور کردیا تھا۔ اور نزدیک تھا کہ مجھ کو قتل کردیتے۔ اس پر رسول خداؐ کی قبر سے ایک ہاتھ ابوبکر کی طرف نمودار ہوا۔ سب نے پہچان لیا۔ کہ آنحضرتؐ کا ہاتھ ہے اور آنحضرتؐ کی سی آواز تھی۔ جس نے کہا اکفرت بالذّی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سوّٰیک رجلاً کیا تو اس خدا سے منکر ہوگیا جس نے تجھ کو خاک سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پھر تجھے مرد بنایا؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ قبر سے نکل آیا۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔ اکفرت یا عمر بالذّی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سوّٰیک رجلاً۔

حمیری و صفار بسند معتبر روایت کردہ اند کہ حضرت امام رضا فرمودہ کہ من دیشب حضرت رسولؐ را درہمیں موضع دیدم و او را در برگرفتم۔ ایضاً صفحہ ۶۶۹ یعنی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے کل حضرت رسول صلعم کو اسی مقام پر دیکھا تھا۔ اور انؐ سے بغل کشی کی تھی۔

(۳) ناسخ التواریخ میں بحوالہ کتاب درر المطالب ایک روایت ہے کہ جب سرپرستی ملائکہ امام حسنؓ و امام حسینؓ حسب وصیت پدر بزرگوار خود مخفی طور پر امیر المومنین علی علیہ السلام کی نعش مبارک کو کسی نامعلوم

جگہ میں سپرد نمائی کرنے کے لئے جاتے تھے۔ تو انہوں نے ایک سوار نقاب پوش کو دیکھا کہ گھوڑے پر سوار ہیں اور نعش کی طرف آرہے ہیں۔ چونکہ اصل روایت فارسی میں ہے جس کا ترجمہ بھی ساتھ کردینا ضروری ہے۔ اس واسطے بخوف طوالت صرف ترجمہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ البتہ ۔۔ ۔۔ ۔۔ بعض ضروری الفاظ اصل عبارت فارسی بھی آخر میں لکھے جائینگے۔

ترجمہ۔ جیسے کہ کتاب درر المطالب میں لکھا ہے انہوں نے ایک سوار کو دیکھا گھوڑے پر کہ فرشتوں کی طرف بڑھا آتا ہے اور انکو سلام دیا۔ پھر امام حسنؓ سے فرمایا۔ تم حسن بن علی ہو۔ وحی اور تنزیل کے شیر خوار اور اپنے باپ امیر المومنین کے خلیفہ۔ انہوں نے کہا جی ہاں بجا فرمایا ہے۔ پھر امام حسینؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا یہ ہیں حسین بن علی رحمت کے فرزند اور نبوت کے شیر سے پلے ہوئے۔ اور عصمت کے تربیت یافتہ۔ انہوں نے کہا۔ جی ہاں۔ اسی طرح ہے۔ پھر نعش مبارک کی طرف دیکھا اور فرمایا یہ ہیں امیر المومنین و سید الوصیین اور خلیفہ رب العالمین امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ جی ہاں۔ ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا یہ نعش تم مجھ کو دے دو۔ اور چلے جاؤ۔ امام حسین نے فرمایا۔ ہم کو تو امیر المومنین (علیؑ) کا حکم ہے کہ سوائے جبرئیل یا خضر کے اور کسی کو سپرد نہ کرنا۔ اب فرمائیے کہ آپ کون صاحب ہیں؟ اس سوار نے نقاب ہٹا لیا۔ امام حسن نے دیکھا کہ (خود) امیر المومنین ہیں۔ امام حسن اس اچنبھے سے حیران ہو گئے۔ اور تبسم فرمایا۔ حسن پا امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ ؟ تعجب یا ابا محمد ان اباك لا تموت نفس فی شرق الارض و غربها الا و يحضر فيها شخصه۔ کیا تعجب کرتے ہو اے حسن۔ یقیناً تیرا کوئی شخص مغرب و مشرق میں فوت نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ تیرا باپ اسکے سرہانے پر حاضر ہوتا ہے۔ غرض کہ مقام غری تک چلتے آئے۔ پھر نعش آگے زمین پر اتر پڑے۔ نعش کو نیچے رکھا گیا اور امام حسن نے اس جنازہ پر نماز ادا کی۔ اور سات تکبیریں کہکر نماز کو ختم کر دیا۔

"(علیؑ) فرمود آیا عجب میکنی اے حسن ہا ناہیچکس در مشرق و مغرب نہ میرد الا آنکہ پدر تو در بالین او حاضر است" ناسخ التواریخ جلد سیم کتاب دوئم کتاب شہادت از کتب امیر المومنین علیہ السلام مطبوعہ ایران صفحہ ۶۸۶–۶۸۷

(۴) مروی ہے کہ بعد وفات جناب امیر المومنین علیہ السلام۔ امام حسن علیہ السلام نے اُن کے اصحاب سے فرمایا کہ اگر امیر المومنین کو دیکھ پاؤ۔ تو پہچان لوگے۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا اچھا اس پردہ کو اُٹھا دو۔ انہوں نے اُٹھا دیا۔ تو بعینہ امیر المومنین تھے۔ اس پر آنجناب نے انکو فرمایا۔

کہ جو ہم میں سے مرجاتا ہے مرجاتا ہے۔ لیکن درحقیقت مردہ نہیں ہوتا اور جو ہم میں سے باقی زندہ ہے۔ وہ تم پر حجت ہوتا ہے۔ قال فادفعوا ھذا الستر فدفعوہ فاذا ھم بہ لا ینکرون فقال لھم علی انہ یموت من مات منا ولیس بمیت ویبقی من بقی منا حجۃ علیکم۔

کتاب الجرائح والخرائج راوندی مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۱ھ

(۵) کتاب مذکور میں سماعہ سے مروی ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں اپنے دل میں باتیں بنا رہا تھا۔ امام موصوف نے مجھ کو دیکھ لیا۔ اور فرمایا کیا سوچ بچار کر رہے ہو کیا تم چاہتے ہو کہ میرے والد بزرگوار ابا جعفرؑ کی زیارت کرو۔ میں نے عرض کیا ہاں تو۔ فرمایا۔ اٹھو اس گھر میں گھس جاؤ۔ اور دیکھ لو۔ راوی کہتا ہے کہ میں داخل ہوا۔ تو دیکھتا کیا ہوں کہ جناب ابا جعفر علیہ السلام رونق افزا ہیں اور ان کے ساتھ انکے شیعوں میں سے بھی ایک جماعت ہے جو ان سے پہلے اور ان کے پیچھے فوت ہوئے تھے

قال فدخلت فاذا ابو جعفر ومعہ قوم من الشیعۃ ممن قد مات قبلہ وبعدہ۔

خاتمہ مضمون :۔ اگلے بزرگوار تو فوت شدہ اماموں اور ان کے شیعوں کی زیارت باعجاز امامت وقوت قدسیت فی الفور کرا دیتے تھے۔ تعجب تو آجکل کے شیعہ اور ان کے امام غائب پر ہے کہ باوجود زندہ ہونے کے اور حجۃ اللہ فی الارض ہونے کے صدہا برس سے غائب و مفقود الخبر ہیں۔ نہ تو وہ خود دیدار پُر انوار سے مشتاقان زیارت کو فائز فرماتے ہیں نہ کوئی ان کا مخلص بان کی تار وقادار ہی اس قدیم سپرچولزم کا کوئی کرشمہ دکھانے کی حامی بھرتا ہے خصبو جمیل

(نادم حسین خادم)

تشحیذ الاذہان کے پرانے فائل

گذشتہ سال کے فائل ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۱ء تک صرف بیس۲۰ روپے میں دیئے جاتے ہیں۔ ان فائلوں میں آریوں عیسائیوں شیعوں غیر احمدیوں کے متعلق ایسا جامع لیٹریچر ہے کہ انشاء اللہ اور کہیں سے نہیں ملے گا۔

صرف بیس روپے میں یہ تحفہ نایاب آپ کو مل سکتا ہے۔

مرزا احمد بیگ ٹالی پیشگوئی مکمل ۶؍ ۔ مباحثہ سرگودہ ۷؍ ۔ مباحثہ بمبئی ۱؍ ۔ کمالات احمدیہ ۶؍ (دیکھو جواب شہادت مرزا)

التشریح الصحیح ۶؍ ۔ مقصد مذہب ۳؍ ۔ آسمانی گولہ ۱؍ ۔ براہین العقائد ۸؍

شذرات

آیات الٰہی کا استخفاف معراج کے متعلق بعض مفسرین قرآن نے افراط کا پہلو اختیار کیا۔ اور اسے ایک عجیب اور عجیب داستان بنا دیا دوسری طرف اب یہ بالغ نظر قسم کے منکر ہیں جو ایک طالب علم کے نام سے ظاہر ہوئے ہیں آپ اسے ایسے رنگ میں دکھاتے ہیں کہ گویا اس کی کچھ حقیقت ہی نہیں۔

"ولیکن جو قواعد فصاحت و بلاغت کے انسان نے مدوّن کیئے ہیں ان کی پوری پیروی قرآن شریف میں نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کے قواعد کی پیروی انسان کیا کرتے ہیں۔ خدا نہیں کیا کرتا۔.... خدا تعالیٰ نے قرآن عربی میں نازل کیا ہے کیونکہ عربی زبان خدا کی بنائی ہوئی ہے لیکن صرف و نحو وغیرہ کے قواعد کا پورا التزام نہیں ہے کیونکہ خدا کے کام انسان کے کاموں سے مشابہت نہیں رکھا کرتے..... پیغمبر صلعم خدا تعالیٰ کی تحریک سے ایک رات کعبے سے نکل کر مکہ مبارکہ کی دوسری جانب مسجد اقصیٰ تک گئے وہاں آپ نے "مسافروں کے ٹھہرنے کے باغ" میں ایک ستارہ گرتا ہوا (اذا ھویٰ) دیکھا۔ آپ اسکی طرف متوجہ ہوئے (فاستویٰ) جبکہ وہ افق اعلیٰ پر تھا۔ (وھو بالافق الاعلیٰ) پھر نزدیک آیا اور گر پڑا (ثم دنیٰ فتدلّٰی) اس کا حجم قریباً کمان کے تھا (قاب قوسین او ادنیٰ) پیغمبر نے اسکو گرتا ٹوٹتا دیکھنے میں غلطی نہیں کی بلکہ غور کر کے دیکھا (ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ) جبکہ اس کے ذرات درخشاں باغ کے پاس انتہائی بیری پر چھا رہے تھے (اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ)

ایک معرفت کی بات ایک عظیم الشان کشفی نظارے ایک بڑی ہونیوالی پیشگوئی کو بچوں کا کھیل بنا دیا ہے اور اس پر کس ڈھٹائی سے حاشیہ چڑھاتے ہیں۔ ھذا مختصر مما علمنی اللہ فی ھذا الباب۔

القینش سے کے هرزہ خرافات لایعنی امرتسر سے ایک اور رسالہ برآمد ہوا ہے جس کے نگران ہیں مولوی نور احمد صاحب جو قادیانی "علماء اسلام" کی کمانڈ کرتے ہوئے سالانہ جلسہ پر آیا کرتے ہیں۔ یہ رسالہ ایک خاتون لکھتی ہے۔ جس سے گو خوشی ہوتی ہے کہ اس فن لطیف کی طرف مسلمان خواتین کو توجہ دلائی گئی ہے مگر جب میں رسالہ کے اخیر پر ایک اشتہار امراض مخصوصہ کے متعلق اور اسی کے ساتھ متصل مکاتبۃ الحروف عاجزہ (ز۔ب) چوک فرید امرتسر کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں

سے شعلے نکلنے لگتے ہیں اور سخت رنج ہوتا ہے۔ کہ مسلمان کہلانے والوں کو کیا ہوگیا۔ اوّل تو ایک مذہبی رسالے میں ایسا اشتہار ہی کیوں ہو۔ اور اگر اس کا احساس نہیں تو میں حیران ہوں ایک خاتون سے ایسی کیونکر لکھوایا جا سکتا ہے افسوس ہے کہ وہ فقرات میں اپنے رسالہ میں نقل نہیں کر سکتا۔ ورنہ میں جابذۃ العلماء کا پایۂ اخلاق اپنے ناظرین کو دکھاتا۔ اس رسالہ کی نسبت ہمارے کرم دوست طغرائی صاحب لکھتے ہیں کہ دیتا ہے مردہ دل کو زندہ۔ آفاق میں یہ مسیح دم ہے۔ مسیح دمی ملاحظہ ہو۔ کہ مسلمانوں کی سب سے پہلی جنگ کے عنوان سے حضرت نبی کریم اور صحابہ عظام کو ایک تجارتی قافلہ پر یورش کرنے والا بتایا ہے۔ وجہ محض دشمنی بتلائی گویا نبی کریمؐ یونہی قافلوں کو لوٹتے پھرتے تھے۔ دوم تاریخی واقفیت ملاحظہ ہو۔ کہ مدینہ منورہ میں جانے سے نبی کریمؐ کی مصیبتوں میں کمی لکھی ہے حالانکہ کفار کی اذیتیں اور صحابہ کے مشکلات وہ چند ہوگئے تھے۔ آگے چل کر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کی طرف ایک روایت منسوب کی کہ ایک بارہ سو سالہ معمر صحابی دیکھا۔ گویا قرآن مجید کی آیات غلط ہیں جو انسانی زندگی اور جن وانس کے تعلقات کی نسبت ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ما من نفس منفوسۃ سے خبر دی تھی۔ وہ بھی غلط نکلی۔ آپ نے سلسلہ احمدیہ کی نسبت کچھ خامہ فرسائی فرمائی ہے جسے پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی اسلئے کہ یہ علم وفضل کے مدعی ہمارے مقابل پر آکر عامیانہ باتیں کہنے لگ جاتے ہیں اور کوئی علمی بات نہیں کر سکتے۔ اور اسلئے کہ کوئی صحیح بات ہماری طرف منسوب کرکے اسپر اعتراض وارد کرنیکا موقعہ نہیں پاتے تو خود بخود افتراء کر لیتے ہیں مثلاً یہ کہ ڈھاب کے کنارے ایک مقبرہ ہے "جسکی فروخت کل جائداد کے دسویں حصے پر بقدر قبر مسافر ہوتی ہے" (لعنۃ اللہ علی الکاذبین) اور یہ کہ "مرزا بشیر الدین محمود احمد مولوی احسن امروہی کی تحریک سے خلیفہ منتخب ہوئے تھے۔ پھر مجھے اسلئے بھی خوشی ہوئی کہ ان لوگوں کی قلبی کیفیت اسلام اور نبیٔ اسلام پر ایمان کے متعلق ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً آپ پہلا اعتراض حضرت مسیح موعودؑ پر یہ فرماتے ہیں کہ شروع میں رؤیاء صادقہ سے لوگ شکار کیے پھر الہامات کا طومار بندھ گیا اسکے بعد وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا" ٹھیک یہی حال حضرت خاتم النبیینؐ کا ہے اور بخاری کی پہلی ہی حدیث سے واضح ہے۔ اگر یہ کسی جھوٹے مدعی کی علامت ہے تو سوچو اس اعتراض کا پہلا نشانہ کون بنتا ہے پھر آپنے اس پر ہنسی اڑائی ہے کہ پہلے محدث بنے۔ پھر مجدد پھر مسیح پھر نبی۔ ٹھیک یہی اعتراض آریہ اور عیسائی نبی کریمؐ پر کرتے ہیں۔ تشابہت قلوبھم ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بُطلانِ مسئلہ قدامتِ رُوح و مادہ

:- (دلائل نقلیہ و عقلیہ) :-

پانچ منتر

پہلا منتر ”ایشور پرماتما سب کو ہدایت فرماتے ہیں۔ کہ اے انسانو! میں ایشور سب سے پہلے موجود اور ساری دنیا کا مالک ہوں میں جگت کی پیدائش کا قدیم باعث ہوں۔ تمام مال و دولت پر غالب اور اس کا بخشنے والا ہوں“ الخ (رگوید منڈل عنا سوکت عشہ منتر عا۔)

رگوید کے اس منتر سے کیا ثابت ہوا؟ یہی کہ خدا برتر واحد و لاشریک ہی پہلے تھا کیونکہ یہ فقرہ کہ ”میں ایشور سب سے پہلے موجود“ قدامت روح و مادہ زمانہ خلاو غیرہ سب کی نفی کر رہا ہے اور یہ ترجمہ بھی بانیٔ آریہ سماج کا اپنا ہے۔ ملاحظہ ہو ستیارتھ پرکاش اردو بار چہارم۔

دوسرا منتر ”جس وقت یہ ذرّوں سے ملکر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت یعنی کائنات سے پہلے اَلَست یعنی شونیہ آکاش بھی نہ تھا کیونکہ اس وقت اس کا کاروبار نہ تھا اسوقت ست (پرکرتی و مادہ) یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانوں (ذرّات) تھے وراٹ (کائنات) میں جو آکاش دوسرے درجہ پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا۔ بلکہ اس وقت صرف پر برہم کی سامرتھ (قدرت) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر بے علت ہے موجود تھی الخ“ (رگوید اشٹک ع۸ ادھیائے ع۷ ورگ ع۱۷ منتر ع۱) (۱)

یہ ہیں دلائل جن سے روح و مادہ کا حدوث اور مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ وید بھگوان کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ پیدائش دنیا سے پہلے نہ آکاش تھا نہ ذرّات تھے نہ پرکرتی تھی۔ تو بھی خدا کی قدرت اور سامرتھ۔ کیا اس سے بڑھکر بھی اور کسی ثبوت کی ضرورت ہے جس سے روح و مادہ کا حدوث ثابت ہو؟ اور یہ بھی یاد رہے یہ ترجمہ کسی عیسائی۔ مسلمان۔ یا سناتنی کا نہیں بلکہ خود سوامی صاحب کا کیا ہوا ہے دیکھئے رگوید آدھی بھاش اردو صفحہ ۷۰)

تیسرا منتر ”اس پرمیشر نے پرتھوی یعنی زمین کے بنانے کے لئے پانی سے اس کو لیکر مٹی کو بنایا اسی طرح آگ کے رس سے پانی کو پیدا کیا اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو آکاش سے اور آکاش کو پرکرتی (مادہ) سے اور پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ الخ“ (یجروید ادھیائے ع۳۱ منتر ع۱۷)

یہ منتر بھی صاف الفاظ میں اس امر کا اعلان کر رہا ہے کہ روح مادہ اَنادی یا ازلی نہیں بلکہ انہیں خود ایشور نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ اور یہی اسلامی عقیدہ ہے۔ (ترجمہ کے لئے

رگویدادی بھاش بھومکا سوامی دیانند کے اُردو ترجمہ کا صفحہ ۸۷ ملاحظہ ہو)

چوتھا منتر:- "جو موکش (نجات) ہے اس کا دینے والا ایک وہی ہے۔ دوسرا کوئی نہیں۔ سو پر میشر یعنی زمین وغیرہ کے ساتھ محیط ہو کر قائم ہے۔ اور اس سے الگ بھی ۔۔۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔۔ کیونکہ اس میں پیدائش وغیرہ کا روبار نہیں۔ (پیدا ہونا و مرنا) اور (وہ) اپنی سامرتھ (قدرت) سے سب دنیا کو پیدا کرتا ہے اور آپ کبھی جنم نہیں لیتا الخ" (یجروید ادھیائے ۳۱ منتر ۲۔ از بھاش بھومکا ہندی صفحہ ۱۲۱)

یہ منتر بھی دنیا کی پیدائش خدا کی قدرت کا نتیجہ اور ظہور بتلاتا ہے۔

پانچواں منتر:- "اس پُرش (ایشور) کی غائت درجہ قدرت ہی اس دنیا کے بنانے کا مصالحہ و مواد ہے کہ جس سے یہ سب دنیا پیدا ہوتی ہے۔ سو پرمیشر سب کا فائدہ چاہنے والا ہو کر اس دو قسم کی دنیا کو کئی طرح سے مرصّع و مسجّع کرتا ہے وہ ایشور (اس دنیا) کا بنانے والا دنیا میں محیط ہو کر دیکھ رہا ہے الخ" (یجروید ادھیائے ۳۱ منتر ۴۔ از رگویدادی بھاش بھومکا ہندی صفحہ ۱۲۲)

اگر آریہ دوست اس منتر کے خط کشیدہ الفاظ کو تعصب سے خالی ہو کر پڑھیں تو انہیں معلوم ہو جاوے کہ ویدک تعلیم کیا ہے اور ہم کس قسم کے جھوٹے فلسفہ کے پیچھے چل رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اب دیگر شاستروں کے پرمان بھی ملاحظہ ہوں +

دیگر شاستروں کے پرمان

پہلا حوالہ:- "اس کائنات سے پیشتر محیطِ کُل پرمیشر ہی تھا" (بحوالہ شت پتھ برہمن منقول از بھاش بھومکا اُردو صفحہ ۵۳)

یہ عبارت بھی اسلامی اصول ہی کی تصدیق کرتی ہے۔

دوسرا حوالہ:- "اس سے پہلے یہ (کائنات) کچھ بھی نہ تھی" (بحوالہ شت پتھ برہمن از بھومکا اُردو صفحہ ۵۳)

تیسرا حوالہ:- "اس کائنات سے پہلے صرف ایک آتما (پرمیشر) ہی تھا۔ اور کوئی دوسری چیز نہ تھی" (بحوالہ آئیتری نپشد منقول از بھومکا اُردو صفحہ ۵۳)

کیا ان حوالہ جات کی موجودگی میں روح و مادہ کی قدامت کا راگ الاپنا ان کے لئے درست ہو سکتا ہے جو ویدک دھرمی کہلانا باعث فخر سمجھتے ہیں؟

اب ہم ذیل میں ایک حوالہ گوپتھ براہمن کا نقل کرتے ہیں جس کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ دنیا کی پیدائش کس طریق سے ہوئی +

چوتھا حوالہ "یقیناً یہ برہم (ایشور) ہی پہلے اکیلا تھا۔ وہ خود ایک ہی تھا اُس نے دیکھا اگرچہ میں عظیم اور پوجا کے لائق ہوں۔ تب بھی میں ایک ہی ہوں۔ اس لئے میں اپنے سے اپنی ہی مانند دوسرا دیو بناؤں گا۔ بعد ازاں اس نے تپ (ریاضت) کیا۔ تکالیف برداشت کیں۔ اور بڑا تپ (ریاضت) کیا جس کے باعث اس کے (ایشور) ماتھے پر پسینہ کی بوندیں آگئیں اس پسینہ سے اُسے بڑی خوشی ہوئی اس کے بعد اس نے بہت ہی محنت کی اور بہت ہی تکالیف و مصائب برداشت کیئے۔ اور بڑا بھاری تپ (ریاضت) کیا جس سے اس کے بدن کے روئیں روئیں سے الگ الگ پسینہ کی دھاریں بہنے لگیں۔ ان دھاروں کو دیکھ کر اُسے (ایشور کو) بہت ہی خوشی ہوئی اور اس نے کہا کہ میں اپنی (پسینہ کی) دھاروں سے دنیا کو پیدا کروں گا"۔ (بعد ازاں انہی دھاروں سے دنیا پیدا کر دی) (گوپتھ برہمن پرپاٹھک ص۱)

ناظرین! یہ کتاب کوئی غیر معتبر یا ایرا غیرا کتاب نہیں بلکہ یہ وہ کتاب ہے جسے سناتن دھرمی الہامی اور ایشوری گیان۔ اور آریہ سماجی قدیم برگزیدہ رشیوں کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ اور یہ بانیٔ آریہ سماج کو بھی مسلّم ہے۔ اور اس عبارت کا مترجم بھی کوئی غیر نہیں بلکہ خاص آریہ سماج کے ایک مشہور پنڈت یعنی جناب پنڈت ساتو کیہ جی مہاراج ہیں۔ دیکھئے ان کا رسالہ "ویدک دھرم" جلد اوّل نمبر ۴ صفحہ ۱۷۳۔

اب اس قسم کی عبارت ہوتے ہوئے کون ہے جو یہ کہے کہ روح مادہ مخلوق نہیں بلکہ ازلی اور انادی ہیں؟

اس حوالہ سے جہاں روح مادہ کا حدوث ظاہر ہے وہاں ہمہ اوست کا مسئلہ بھی سماج ہی کی مسلّمہ کتب سے ثابت ہے۔

یہی نہیں اس میں ان مُنہ پھٹ آریہ معترضوں کے لئے بھی مُنہ توڑ جواب ہے جو ایک حدیث پر جس میں بطور استعارہ حضرت آدم ؑ کا خمیری مٹّی سے چالیس دن میں بنایا جانا مرقوم ہے محض اپنی نادانی سے پھبتیاں اُڑاتے ہیں۔ حالانکہ اس میں کوئی بھی قابل اعتراض بات نہیں لیکن اس میں ایشور کو دنیا کے پیدا کرنے کے لئے جس قدر مصائب و تکالیف برداشت کرنے میں مبتلا پایا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

پانچواں حوالہ۔ "شروع میں یہ صرف آتما (خدا) ہی تھا وہ پرش کی طرح تھا اس نے اپنی چاروں طرف دیکھ کر اپنے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ اس نے "میں ہوں" پہلے یہ کہا اس لئے اس کا نام "میں" ہوا الخ"
(برہدار انیک اپنشد ترجمہ پنڈت راجارام صاحب ص۵۶)

اسی طرح اور بھی بیسیوں حوالے اور ثبوت اس آیت کی تائید میں پیش کیے جا سکتے ہیں جن سے روح مادہ کا مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ شاستروں میں جا بجا یہ امر مرقوم ہے۔ کہ پہلے صرف ایک ایشور ہی تھا بعد میں سب جہان پیدا ہُوا اب ان نقلی حوالہ جات کے علاوہ اور بھی چند عقلی و نقلی دلائل روح و مادہ کو مخلوق ثابت کرنے کے لئے پیش کیئے جاتے ہیں *

دیگر دلائل

پہلی دلیل۔ جو بانی آریہ سماج کی کتاب ستیارتھ پرکاش سے مستنبط ہے۔ یوں ہے۔ ستیارتھ پرکاش اردو صفحہ ۲۴ پر سوامی جی لکھتے ہیں۔ کہ

"تین چیزیں ازلی ہیں۔ روح[۱] - مادہ[۲] - ایشور[۳]"

مگر اسی کتاب میں صفحہ ۲۸۲ پر تین کی بجائے پانچ چیزوں کو ازلی بتایا ہے۔ یعنی "روح[۱] - مادہ[۲] - خدا[۳] - آکاش[۴] - زمانہ[۵] -

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۳ پر آکاش کے ازلی ہونے کی دلیل دیتے ہیں کہ "بغیر آکاش کے پرکرتی اور پرمانوں کہاں ٹھیر سکیں"۔

فرمایا کہ آکاش اگر نہ ہو تو روح مادہ کہاں ٹھیریں۔ اس لئے لازماً آکاش بھی غیر مخلوق ہے۔ اس دلیل سے ثابت ہے کہ جس قدر اشیاء ازلی مانی جاتی ہیں وہ سب کی سب آکاش ہی کے سہارے قائم ہیں۔ کیونکہ بقول سوامی جی اگر آکاش نہ ہو تو یہ اشیاء (ازلی) کہاں ٹھیریں۔ (۴۷)

مگر خود سوامی صاحب نے ہی اپنی دوسری تصنیف رگوید آدی بھاش بھومکا اردو صفحہ ۱۶۶ میں لکھدیا ہے کہ آکاش مخلوق ہے اصل عبارت یوں ہے۔ کہ "اس پُرس (ایشور) کے من یعنی وچار یا غور و فکر کرنے والی سامرتھ (قدرت) سے چاند پیدا ہُوا اور چکشو یعنی پُرنور قدرت سے سورج ظاہر ہُوا اور شروتر یعنی آکاش صورت قدرت سے آکاش ہُوا الخ"

اور یہ بات تو مسلمہ ہے کہ جو شئے مخلوق ہو وہ ناش بھی ہو گی۔ پس جب آکاش کا ناش ہونا ثابت ہو گیا تو روح و مادہ کا ناش ہونا خود ہی ظاہر ہے۔ کیونکہ بروئے ارشاد سوامی صاحب "اگر آکاش نہ ہو تو روح مادہ کہاں ٹھیریں" جب ظرف ہی نہ ہو تو مظروف کہاں رہا کیونکہ مظروف کا قیام ظرف کے بغیر محال ہے۔ سو جب ظرف حادث و فانی ثابت ہو گیا تو مظروف بھی حادث اور فانی ٹھیرا۔

دوسری دلیل۔ بانی آریہ سماج ستیارتھ اردو صفحہ ۲۲۹ باب ۸ سوال نمبر ۶ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ برہم ہمیشہ ایک ہے جیو اور پرکرتی کے عناصر بہت سے ہیں"۔

اگر کوئی خط کشیدہ الفاظ پر بغور دھیان دے تو اس پر روح کا حادث و مخلوق ہونا عیاں ہو جائیگا۔ کیونکہ اس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جہاں پرکرتی (مادہ) کے عناصر ہیں وہاں روح کے بھی عناصر ہیں۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ جس چیز کے عناصر ہوں گے وہ مرکب ہوگی اور مرکب کا ازلی اور غیر مخلوق ہونا محال ہے۔ چنانچہ سوامی صاحب نے خود بھی اسے تسلیم کیا ہے کہ

"جو شے ترکیب سے پیدا ہوتی ہے وہ ترکیب سے پیشتر نہیں ہوتی" ستیارتھ صفحہ ۲۵۱ پس خود بانی آریہ سماج کی عبارات سے ہی روح مادہ کا حدوث ثابت ہو گیا۔ اسی پر بس نہیں اور بھی دیکھئے۔

تیسری دلیل۔ ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۲۲۳ باب ۷ سوال ۵۳ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ "سوال جیو (روح) جسم کے اندر علیحدہ "وِبھو" (بسیط) ہے یا "پری چھِن" (ایک مقامی) جواب "پری چھن" (ایک مقامی)۔ اگر "وِبھو" (بسیط) ہوتا تو عالم بیداری۔ سپنے کی نیند۔ گہری نیند۔ مرنا۔ جنم لینا۔ ترکیب۔ تفریق۔ جانا۔ آنا۔ ہرگز نہ ہو سکتا۔ پس جیو محدود العلم مگر محدود المقام مگر لطیف ہے"

اس جگہ سوامی جی نے روح میں ترکیب و تفریق کو تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا اب کوئی نزاع نہیں رہی کہ روح حادث ہے یا کہ ازلی۔ کیونکہ جس چیز میں ترکیب و تفریق کا دخل ہے وہ سوامی جی (۵)
کے ہی اصول کی رُو سے ازلی اور غیر مخلوق نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی تصنیف میں متعدد جگہ یہ لکھا ہے کہ مرکب شے حادث اور مخلوق ہے۔ (دیکھئے ستیارتھ پرکاش اردو صفحہ ۲۴۷) کہ "جو ترکیب سے پیدا ہوتا ہے وہ ازلی ابدی کبھی نہیں ہو سکتا"

اگر یہاں پر کوئی کہے کہ ترکیب و تفریق سے مراد پیدائش و موت ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ ہم نے سوامی جی کے بیان کردہ صفاتِ روح پر علیحدہ علیحدہ نمبر لگا دیئے ہیں۔ مرنا اور جنم لینا علیحدہ لکھا ہے اور ترکیب و تفریق علیحدہ۔

چوتھی دلیل۔ سوامی درشتانند جی۔ ایشور پار حصہ اول صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں کہ "جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ حالتیں بدلتی اور ناش ہو جاتی ہے۔ اور جو چیز حالت بدلتی ہے وہ پیدا شدہ اور حالت بدلنے والی ہے ..... جو چیز حالت بدلتی ہے وہ پیدا شدہ ہے"

فرمایا کہ جو چیز حالتیں بدلتی اور تغیرات کے چکر میں پھنسی ہو وہ کبھی بھی ازلی اور غیر مخلوق نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حادث اور مخلوق ہو گی۔ سو جب ہم اس کلیہ کے ماتحت روح پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تغیرات اس پر وارد ہوتے ہیں اور کسی چیز پر نہیں ہوتے جس کی

تردید آریہ سماجی دوست بھی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ بھی مانتے ہیں کہ تناسخ کی رو سے آج اگر ایک روح انسان ہے تو کل حیوان۔ ایک وقت میں چرندہ ہے تو دوسرے وقت میں پرند۔ اگر ایک حالت میں ذی شعور ہے تو دوسری جون میں نباتات بنی ہوئی نظر آتی ہے۔

پس یہ کس قدر تغیرات ہیں جو روح پر وارد ہوتے ہیں یعنی کبھی صاحب کلام ہے کبھی مدرک ہے اور کبھی کلام سے خالی اور ادراک سے معرّا۔

لہٰذا یہ تغیرات ہی اسے (روح کو) حادث و مخلوق ثابت کرتے ہیں کیونکہ خود سوامی درشنانند جی نے تسلیم کیا ہے کہ "جو چیز حالت بدلتی ہے وہ پیدا شدہ ہے" اور روح چونکہ ہزاروں حالتیں بدلتی ہے اس لئے یقیناً یہ پیدا شدہ ہے۔

پانچویں دلیل۔ سوامی درشنانند جی "آتم رکھشا" صفحہ ۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "گن (صفت) کے ساتھ گن والے (موصوف) کا ہمیشہ تعلق رہتا ہے گن کے ناش سے گن والے کا بھی ناش ہو جاتا ہے"

جب اس اصول کے ماتحت بھی روح پر غور کیا جائے تو اس کا حادث و مخلوق ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روح کی ایک صفت ادراک بھی ہے لیکن بروئے اصول تناسخ جب روح انسانی اور حیوانی قالب چھوڑ کر نباتی جونوں میں جاتی ہے تو اس کی صفت ادراک نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ اور اس میں وہ صفت (ادراک) قطعاً نہیں رہتی جو اسے انسان یا حیوان ہونے کی حالت میں حاصل تھی سو جب گن (صفت) کا ناش ہو گیا تو سمجھ لو کہ گن والا بھی ناش ہو گیا۔ کیونکہ سوامی درشنانند جی یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ گن کے ناش (نیستی) سے گن والے کا بھی ناش ہو جاتا ہے۔ (۲)

چھٹی دلیل۔ آریہ سماج کا عقیدہ ہے کہ انسانی۔ حیوانی۔ نباتی۔ ارواح سب ایک سی ہیں انہیں کوئی فرق نہیں۔ یہ صرف اپنے اپنے اعمال کی بدولت مختلف جونوں میں مبتلا ہیں۔

سو اگر یہ صحیح ہے تو آؤ دیکھیں کہ روح تقسیم ہوتی ہے یا کہ نہیں؟ اگر یہ تقسیم ہوتی ہے تو سمجھ لو کہ یہ مرکب ہے اور جب اس کا مرکب ہونا ثابت ہو گیا تو حادث اور مخلوق ہونا خود ہی ظاہر ہو جائیگا۔ کیونکہ سوامی صاحب تسلیم کر چکے ہیں کہ مرکب حادث ہوتا ہے۔

اب دیکھئے کہ ایک جانور کیچوا ہے۔ سو جب اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاویں تو وہ دونو ٹکڑے ویسے ہی سلامت اور زندہ رہتے ہیں جیسے ایک جاندار چیز۔ (چند منٹ یا چند گھنٹوں تک نہیں بلکہ کئی روز تک) سو جب ایک کیچوے کو کاٹنے سے دو زندہ چلتے پھرتے کیچوے بن گئے

تو کیا ثابت ہوا؟ یہی کہ روح کا تجزیہ ہو گیا اور وہ دو جگہ تقسیم ہو گئی۔ پس جب تقسیم ہو گئی تو یہ ماننا لازمی ہے کہ یہ مرکب ہے چند اجزاء سے اور جو مرکب ہے وہ یقیناً حادث اور مخلوق بھی ہے۔

اسی طرح ایک جانور سانپ کی طرح کا ہوتا ہے جسے ہیٹڈرا کہتے ہیں جو پانی میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے متعدد سر ہوتے ہیں اس کے جتنے بھی ٹکڑے کئے جاویں وہ مرتا نہیں بلکہ اتنے ہی علیحدہ علیحدہ ہیٹڈرے بن جائینگے اور یہ مشاہدہ ہے جس کی تردید محال ہے۔ پس یہ مشاہدہ ہی روح کو حادث و مخلوق ثابت کرتا ہے۔

ساتویں دلیل۔ سوامی دیانند جی مہاراج ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۶۰ باب ۸ جواب ۵ کے ضمن میں مادہ کی تعریف یُوں کرتے ہیں۔ کہ "سب سے لطیف جزو کا ٹکڑا نہیں جاتا اس کا نام پرمانو مادہ ہے" مادہ کی آخری حالت جسے پرمانو کہتے ہیں وہ بقول سوامی جی ناقابل تقسیم ہے۔ بہت خوب۔ آیئے اب ہم دیکھیں کہ آیا وہ پرمانو جسے سوامی صاحب ناقابلِ تقسیم بتاتے ہیں کیا فی الواقع ناقابلِ تقسیم ہے؟ سو جب ہم اس تعریف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے غور کرتے ہیں تو ہمیں پرمانو بھی قابلِ تقسیم ہی نظر آتا ہے۔ کیونکر؟ اس طرح کہ جب ہم (فرض کے طور پر) تین پرمانو ایک جگہ
(۳) ساتھ ساتھ اس طرح رکھیں (...) تو دائیاں بایاں پرمانو درمیانی پرمانو کو مس کرے گا۔ اور جب وہ مس کرے گا تو ایسی حالت میں لامحالہ ماننا پڑے گا کہ وہ درمیانی جزو تقسیم ہو گیا۔ اور جب ایک میں تقسیم پائی گئی تو اس پر باقی ذرات کو قیاس کر لیا جاوے۔ اور اگر کہا جاوے کہ یہ محض خیالی تقسیم ہے۔ اگر یہ ذرات فی الواقع تقسیم ہو جاتے ہیں تو ہمیں بھی مشاہدہ کرواؤ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر ایک بات عملاً کر کے دکھلائی بھی جاوے۔ جب ایک چیز کا عقلاً منقسم ہونا درست ہے تو کیا حقیقت میں وہ ناقابلِ تقسیم بنی رہیگی؟ کبھی نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاس ایسے باریک آلات نہ ہوں جس سے ہم اُسے دو ٹکڑے کر دیں لیکن کیا خدا جو ہر ایک کام بغیر آلات کے کرتا ہے اُس کے نزدیک بھی وہ ناقابل تقسیم ہے؟ اور کیا خدا میں اتنی قدرت نہیں کہ مادہ کی آخری حالت (پرمانو) کو تقسیم کر سکے؟ اگر کہو کہ وہ (خدا) بھی اسے تقسیم نہیں کر سکتا تو ایشور کی ناطاقتی اور تہیدستی ظاہر ہے۔ اور اگر کہو کہ کر سکتا ہے تو تسلیم کیجئے کہ پرمانو حادث اور مخلوق ہیں۔ کیونکہ وہ قابلِ تقسیم ہے۔

اور ممکن ہے کہ ایسا زمانہ بھی آجائے جس میں اس قسم کے باریک آلات تیار ہو جاویں جنکی مدد سے سوامی جی کے بیان کردہ ناقابلِ تقسیم ذرات کو ہم بھی تقسیم کر کے دکھلا دیں۔ مگر در اصل بات

یہی ٹھیک ہے کہ ہر ایک بات کا مشاہدہ ضروری نہیں۔ پس کسی امر کو حل کرنے کے لئے اتنا دیکھنا کافی ہوتا ہے کہ آیا وہ امر عند العقل محال تو نہیں۔ سو جو چیز عقلاً ممکن ہو اس کے متعلق یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

آٹھویں دلیل۔ مادہ جسے غیر فانی اور ازلی بتایا جاتا ہے کیا جب یہ اپنی اصلی (حالتِ ذرّات) حالت میں چلا جاتا ہے تو اس میں اس وقت کوئی حجم ہوتا ہے؟ اگر کہو نہیں۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ جب ذرّات میں حجم نہیں تو ان کے مرکب میں حجم کیسے آگیا؟ اگر کہو کہ حجم ہے تو پھر یہ بھی بتلایئے کہ وہ ذرات جن میں کم و بیش حجم پایا جاتا ہے کوئی جگہ بھی گھیرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کہو نہیں۔ تو یہ بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ خود سوامی جی لکھ چکے ہیں کہ "اگر آکاش نہ ہو تو روح مادہ کہاں ٹھیریں"۔ (ستیارتھ صفحہ ۲۵۲) اگر کہا جاوے کہ ذرّات کے لئے جگہ ضروری ہے تو پھر اس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب وہ جگہ گھیرتے ہیں تو کیا ہر ایک ذرہ نیچے اوپر دو سطحیں بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر کہو نہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ جو چیز جگہ گھیرتی ہے اس کی سطحیں بھی ہوتی ہیں۔ اگر کہو مادہ کی بھی اوپر نیچے دو سطحیں ہوتی ہیں۔ تو پھر یہ بھی مان لو کہ مادہ کا وہ ذرہ جسے ناقابلِ تقسیم ٹھیرایا جاتا ہے وہ مرکب اور قابلِ تقسیم ہے۔ کیونکہ جو چیز دو سطحات سے مرکب ہوگی وہ یقیناً یقیناً درمیان سے کاٹی بھی جاسکتی (۸)
ہے۔ گویا کہ وہ قابلِ تقسیم ہے۔ اور جو قابلِ تقسیم ہوتا ہے وہ حادث ہوتا ہے پس مادہ کا حادث ہونا ثابت ہوگیا اور یہی ہمارا مدّعا ہے۔

نویں دلیل۔ پنڈت لیکھرام نے تکذیب براہین احمدیہ جلد اوّل کے شروع میں لکھا ہے۔ کہ۔ "جو کُل میں ہوتا ہے وہ جُزو میں ہوتا ہے جو کُل میں نہیں وہ جزو میں بھی ناممکن ہے"۔

اب اگر یہ درست ہے تو سماجی دوست بتائیں کہ موجودہ کائنات عالم میں ترکیب پائی جاتی ہے یا کہ نہیں؟ اگر کہا جاوے کہ نہیں تو یہ مشاہدہ کے خلاف ہے اور اگر کہا جاوے کہ ہاں۔ تو پھر یہ بھی بتلایا جاوے کہ جب کُل (کائنات) میں ترکیب موجود ہے تو کیا اس کُل (کائنات) کے اجزاء (علّتِ مادی) میں بھی ترکیب ہے یا نہیں؟ اگر کہا جاوے کہ کُل میں تو ترکیب ہے لیکن جزو میں نہیں تو اس سے لیکھرامی اصول باطل ٹھیرتا ہے کہ "جو کُل میں ہوتا ہے وہی جزو میں ہوتا ہے اور جو کُل میں نہیں وہ جزو میں بھی ناممکن ہے"۔ جب کُل یعنی کائنات میں ترکیب مان لی۔ تو پھر اس کُل کے جزو میں ترکیب سے انکار کیوں؟ کیونکہ جو چیز کُل میں ہوگی وہ جزو میں ضروری ہے تو کیا وجہ کہ کُل میں تو ترکیب تسلیم کر لیجاوے اور جزو میں ترکیب کا انکار ہو۔ لہٰذا تسلیم کرنا ہوگا کہ جیسے

اس کائنات (کل) میں ہے ویسے ہی اس کل کے اجزاء میں بھی ترکیب ہے۔ سو جب جزو میں بھی ترکیب کو مان لیا تو وہ مادہ یا وہ جزو جسے غیر فانی اور لاتجزّی بتلایا جاتا ہے مرکب ٹھیرا۔ اور مرکب ہونے کے باعث حادث اور مخلوق۔ کیونکہ سوامی درشتانند جی نے بھی ویشیشک درشن کے صفحہ ۱۱۹ میں تسلیم کیا ہے۔ کہ "ہر ایک مرکب شئے انتیہ یعنی ممکن الوجود ہے" اور یہ ہر ایک جانتا ہے کہ ممکن واجب الوجود اور غیر مخلوق نہیں ہو سکتا۔

دسویں دلیل۔ سانکھ درشن کے مصنّف مشہور ہندو فلاسفر کپل دیو اپنی تصنیف (سانکھ) کے ادھیائے ۱ سوتر ۷۶ میں لکھتے ہیں۔ کہ "پری چھنّم نہ سروُاپادانم" جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک دیشی (محدود) جہان کی علّت مادّی نہیں ہو سکتی۔ کیوں؟ اسکی دلیل اگلے سوتر میں یوں دی ہے کہ "تداُتپتی شُرتیشچ" یعنی محدود علّت کی پیدائش سُنی جاتی ہے۔

فرمایا کہ جہان کی علّت مادی محدود نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو محدود ہو گا وہ جہان کی علّت نہیں کہلا سکتی۔ علّت وہی کہلا سکتی ہے جو غیر محدود ہو۔

اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آریہ سماج کی بیان کردہ علّت مادی محدود ہے۔ یا غیر محدود؟ سو اس کے لئے بانی آریہ سماج کا قول زیادہ مناسب ہو گا۔ دیکھئے وہ ستیارتھ پرکاش اردو صفحہ ۲۳۹ (۹)
میں لکھتے ہیں کہ "یہ سب عالم پیدائش سے پیشتر تاریکی میں چھپا ہوا۔ اندھیرے جیسا ناقابل تمیز اور آکاش کی طرح (جسم و شکل رکھنے والا) تھا اور غیر محدود پرمیشور کے مقابلہ میں محدود ..... تھا"

اس جگہ برخلاف تمام مادیین کے سوامی صاحب نے علّت مادی کو محدود مانا ہے۔ جب محدود مانا تو سانکھ درشن کی رو سے وہ (سماج کا تسلیم کردہ غیر مخلوق مادہ) علّت مادی نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ علّت مادی غیر محدود ہوتی ہے اور سماج جس کو علّت مادی ٹھیراتی ہے۔ وہ محدود ہے پھر اس لحاظ سے سماج کی مانی ہوئی علّت مادی بوجہ محدود ہونے کے جہان کی علّت مادی نہیں۔ اور جب علّت مادی نہیں تو پھر یہ مخلوق ہے کیونکہ سانکھ کے مؤخر الذکر سوتر میں بتلایا گیا ہے کہ محدود کی پیدائش سُنی جاتی ہے یعنی جو محدود ہے وہ مخلوق بھی ہے چونکہ سماج مادہ کو محدود بتلاتی ہے۔ اس لئے آریہ سماج کی مستند کتاب سانکھ درشن کی رو سے وہ مخلوق ہے۔ جیسا کہ محولہ بالا دو سوتروں سے ظاہر ہے۔ پھر جب سماج کی مسلّمہ کتب سے مادہ کا مخلوق و حادث ہونا ظاہر ہے تو پھر اسلامیوں سے اس بارہ میں نزاع کیوں؟

امید ہے کہ راستی پسند سچائی کے خواہاں آریہ سماجی دوست ان بیس دلائل پر جو حدوث روح

اور مادہ کے اثبات میں نقل کیئے گئے ہیں۔ بے تعصب اور نیک نیت ہو کر مطالعہ فرمائینگے اور آئندہ کے لئے یہ کہنا چھوڑ دینگے کہ نعوذ باللہ جس طرح خدا ازلی و غیر مخلوق ہے۔ اسی طرح روح مادہ بھی خدا یعنی بالذات ازلی ابدی اور غیر مخلوق ہیں کیونکہ یہ عقیدہ جو سراسر مشرکانہ عقیدہ ہے نہ صرف عقلی دلائل کے خلاف ہے بلکہ قرآن کریم اور وید مقدس کی تعلیم کے بھی خلاف ہے اس لئے اس قسم کے مشرکانہ عقائد ایک خدا پرست قوم کے لئے باعث شرم اور موجب عصیان ہیں ❊

گیارھویں دلیل۔ سوامی درشنانند عقائد اسلام پر عقلی نظر صـ۴ میں لکھتے ہیں کہ "لاشریک (خدا) کو تم محدود مانتے ہو یا لامحدود۔ اگر محدود مانو تو اُس کے مجسم ہونے سے مرکب ماننا پڑیگا۔ اور جو چیز مرکب ہے وہ ناش (نیست) ہونیوالی یعنی فانی ہے الخ" اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز محدود ہوتی ہے وہ مجسم بھی ہے اور مجسم ہونے پر مرکب بھی اور جو مرکب ہوگی وہ لازماً حادث و فانی ہوگی۔ اب اگر اس اصول کی رُو سے روح اور مادہ کا فانی یا غیر فانی ہونا معلوم کیا جاسکے تو یہ امر بڑی آسانی سے فیصل ہو سکتا ہے۔ دیکھیئے جناب سوامی دیانند صاحب اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش ہی میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "جیو محدود العلم اور محدود المقام مگر لطیف ہے" (صـ۲۲۳)۔ "یہ سب عالم..... (۱۰)
غیر محدود پرمیشور کے مقابلہ میں محدود ہے" (صـ۲۳۹) پھر جب روح اور مادہ دونو محدود ہیں تو درشنانندی اصول کی رُو سے ماننا پڑے گا کہ روح مادہ بوجہ محدود ہونیکے مجسم ہیں اور مجسم ہونیکے باعث مرکب بھی۔ سو جب روح اور مادہ علیحدہ علیحدہ دونو ہی مرکب ہیں تو یقیناً یہ قابل فنا بھی ہیں۔ اور جب قابل فنا ہیں تو انکا مخلوق ہونا خود بخود ظاہر ہے۔ اور یہی ہمیں مطلوب۔

بارھویں دلیل۔ یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ واجب الوجود وہی کہلانے کا مستحق ہے جو خود بخود ہو اور اسکو اپنی ہستی یا قیام کے لئے کسی غیر کی احتیاج نہ ہو۔ جیسا کہ سوامی درشنانند جی نے بھی دیشیشک درشن صـ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ "جو چیز موجود ہو لیکن اپنی ہستی کے واسطے کسی دوسرے کارن یعنی علت کی محتاج نہ ہو۔ وہ نتیہ یعنی واجب الوجود ہے۔... اسکے مخالف جو کسی کال (زمانہ) میں ہو اور کسی میں نہ ہو جو اپنی ہستی کے واسطے کارن یعنی علت کا محتاج ہو وہ انتیہ یعنی ممکن الوجود ہے" سوامی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ واجب الوجود وہی ہوگا جو اپنی ہستی کے قیام کیلئے کسی غیر کا محتاج نہ ہو اور جو اسکے برعکس کسی غیر کا محتاج ہوگا وہ ممکن الوجود ہے نہ کہ واجب الوجود۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ روح مادہ جسے ازلی اور غیر مخلوق بنایا جاتا ہے واجب ہیں یا ممکن۔ یعنی

ان کی ہستی کا قیام کسی غیر کے سہارے ہے یا بالذات۔ سو اسکے لئے دیانند جی کی مندرجہ ذیل عبارت قابل مطالعہ ہے۔ "خلا کی پیدائش کیسے ہوئی کیونکہ یہ شے ہر جگہ پھیلی ہوئی اور نہایت لطیف ہے۔ اور اوپر نیچے یکساں ہے۔ جب آسمان پیدا نہیں ہوا تھا۔ تب پول یا خلا تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو خدا۔ جہان کی علّت مادی اور جیو (روح) کہاں رہتے تھے؟ بغیر مقام کے کوئی شے ٹھیر نہیں سکتی الخ" (ستیارتھ پرکاش باب ۱۳ صفحہ ۵۱۵ و ۵۱۶) سوامی صاحب نے اس جگہ یہ بات قبول کی ہے کہ روح مادہ ہی نہیں ہیں بلکہ خدا بھی جگہ کا محتاج ہے۔ کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ بغیر مقام کے کوئی شے ٹھیر نہیں سکتی۔ اور اس امر کو صفحہ ۲۵۳ میں بھی تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔ "درحقیقت آکاش کی پیدائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ بغیر آکاش (خلا) کے پرکرتی اور پرمانو کہاں ٹھیر سکیں"

سو جب سوامی صاحب کی تحریرات ہی سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ روح مادہ کو اپنی ہستی کے قیام کے لئے آکاش کی ضرورت اور احتیاج ہے یہ واجب الوجود کی تعریف سے نکل گئے کیونکہ واجب الوجود ہی ہوسکتا ہے جو اپنی ہستی کے قیام کے لئے کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو۔ چونکہ روح مادہ اپنی ہستی۔ کے لئے آکاش یا خلا کے محتاج ہیں اس لئے وہ واجب الوجود نہیں بلکہ ممکن الوجود ٹھیرے۔ صرف روح مادہ ہی نہیں بلکہ ویدک ایشور بھی ممکن الوجود ثابت ہوا کیونکہ وہ بھی اپنے قیام کے لئے روح مادہ کی طرح آکاش یا خلا کا محتاج ہے اور جو ممکن الوجود ہوگا وہ خدا کیونکر ہوسکتا ہے۔ خدا تو وہی ہوگا جو واجب الوجود ہو اور محتاج الی الغیر نہ ہو۔ مگر چونکہ سوامی صاحب نے خدا کو بھی (نعوذ باللہ) آکاش کا محتاج لکھا ہے اسلئے ان کے عقیدہ یا اصول کی رو سے وہ (خدا) حقیقتاً خدا (واجب الوجود) نہیں بلکہ مخلوق (ممکن الوجود) ہے۔ کیونکہ اسکی ہستی کا انحصار اور مدار آکاش پر ہے آکاش ہو تو وہ بھی ہے اگر آکاش نہیں تو اس کا وجود بھی عدم برابر۔ اور یہ امر سوامی درشنانند تسلیم کرچکے ہیں کہ واجب وہی ہوگا جو اپنی ہستی کے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہ ہو۔ جو اپنی ذات کے قیام کے لئے کسی دوسرے کا محتاج ہے وہ واجب نہیں بلکہ ممکن ہوگا۔ اور یہ ہر ایک جانتا ہے کہ ممکن حادث اور مخلوق ہوتا ہے۔ پس جہاں روح اور مادہ اپنی ہستی کے قیام کی وجہ سے ممکن اور مخلوق ثابت ہوئے وہاں ویدک ایشور بھی۔

روح مادہ کا ممکن الوجود ہونا پنڈت لیکھرام کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ثابت ہے لکھا ہے کہ:۔ "انادی کال (زمانۂ ازل) سے اننت کال (ابد تک) اور ہر وقت تمام پرمانو و روح پرمیشور کے آسرے اور ہیں۔ (کلیات آریہ مسافر صفحہ ۵۳ کالم ۲)

جب پنڈت لیکھرام بھی تسلیم کرتا ہے کہ روح مادہ ایشور کے سہارے سے قائم ہیں تو پھر ان کا واجب الوجود (ازلی) ہونا کیونکر ثابت ہو؟ جب بوجہ ایشور کے آسرے رہنے کے ممکن ٹھیرے تو ان کو ازلی اور غیر مخلوق واجب بالذات کیسے تسلیم کیا جائے؟ کیونکہ واجب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی کے سہارے کے اپنی ذات میں خود بخود قائم ہو۔ سو جب روح مادہ خدا کے سہارے قائم ہیں تو خدا کی طرح واجب نہیں بلکہ ممکن اور مخلوق ثابت ہوئے۔ اور ستیارتھ پرکاش باب ۸ صفحہ ۲۴۸ میں بھی لکھا ہے۔ کہ "وہ جس پرمیشور نے اپنی رچنا (صفت کاملہ) سے زمین وغیرہ تمام کائنات کو پیدا کیا ہے۔ جس سے جیو قائم ہیں الخ" اس جگہ بھی تسلیم کیا کہ ارواح خدا کے سہارے قائم ہیں۔ لہٰذا وہ قائم بالذات اور واجب الوجود نہیں بلکہ ممکن ٹھیرے اور ممکن ہونے سے حادث و مخلوق۔ اور یہی اسلامی تعلیم ہے۔

تیرھویں دلیل۔ سوامی دیانند صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ محیط کل وغیرہ صفات سے موصوف ایشور سب جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کی سرایت سے خالی نہیں الخ"

(رگوید آدھی بھاشیہ بھومکا اردو بار سوم صفحہ ۲۲)

جب ایشور سب جگہ موجود حاضر ناظر اور ہر ایک ذرہ میں سرایت کئے ہوئے ہے تو اس پر یہ سوال ہے کہ کیا ایشور ہر ایک ذرہ کی ماہیت اور اس کی کنہ تک کا واقف ہے؟ اگر کہو واقف ہے (۱۴)
اور اسے ہر ایک ذرہ کے خواص کا کامل علم ہے۔ تو پھر یہ بھی بتلائیے! کہ وہ (ایشور) انکو (روح مادہ) پیدا بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ نہیں۔ تو پرمیشور علیم کل نہ رہا۔ کیونکہ کسی چیز کا کمال علم ہی اس (چیز) کے عالم کو اسکی خلق پر قادر کر دیتا ہے۔ سو جب پرمیشور ایک ذرہ تا چیز بھی پیدا کرنے پر قادر نہیں تو وہ علیم کیونکر ہو سکتا ہے؟ پس جب وہ علیم نہیں تو ہر ایک ذرہ میں ساری وطاری بھی نہیں۔ لہٰذا محدود ہوا۔ اور محدود خدا نہیں ہوتا۔ پرمیشور تبھی علیم کُل اور سروگیہ کہلا سکتا ہے۔ جبکہ وہ ہر ایک چیز کی کنہ تک کامل طور پر واقف ہو۔ جو بعض امور سے واقف اور بعض سے بے خبر ہو وہ علیم کل اور گیان مئی کیونکر ہوگا؟ پس اگر پرمیشور حقیقی معنوں میں علیم کل ہے تو اُسے روح مادہ کا خالق بھی تسلیم کیجئے ورنہ یہ عقیدہ کہ پرماتما تمام اشیاء کی ماہیت سے واقف اور اُنکے گن کرم سوبھاؤ کو حد کمال تک اور جانے ہوئے ہے۔ غلط ٹھیریگا۔ اس جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات کیونکر باور کر لی جائے کہ کسی چیز کا کامل علم اُسکے بنانے پر بھی قادر کر دیتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ علم خواص الاشیاء کے بڑے بڑے عالم بھی کسی ایک ذرہ کو نابود سے بود یا نیستی سے ہستی میں نہیں لا سکتے۔ تو اس کا ایک حرفی جواب

یہ ہے کہ اشیاء کے خواص کا کامل علم تو کیا وہ لوگ تو ایک ذرّہ کے بھی تمام خواص نہیں جانتے ہاں اگر پھر اُن کو پیدائیش پر قدرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اُن کا علم خواص حدّ کمال تک پہنچ جائے تو بے شک وہ اُن اشیاء کو حقیقی معنوں میں پیدا بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن انسان چونکہ خود محدود اور مخلوق ہے بایں سبب اُس کا علم بھی محدود ہے اسلئے وہ بوجہ محدود ہونے کے نہ تو کسی چیز کا کامل علم حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی پیدائیش پر قادر۔ کیونکہ "اگر جیو کا علم غائت درجہ تک بڑھ جاوے تب بھی وہ محدود علم اور (محدود) قدرت والا رہتا ہے۔ غیر محدود علم اور قدرت والا کبھی نہیں ہو سکتا" (ستیارتھ صفحہ ۲۵۲) مگر برخلاف اسکے جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ "پرمیشور کی سچائی 'انصاف' 'رحم' کامل قدرت اور کامل علم وغیرہ بے شمار صفتیں ہیں" (ستیارتھ صفحہ ۱۵) تو یہ بھی ماننا چاہیئے کہ پرماتما یا پرمیشور کامل قدرت اور کامل علم سے موصوف ہونے کے باعث ہر چیز کی تخلیق پر قادر بھی ہے۔ کیونکہ علیم و قدیر بھی ہوگا جب اُسے ہر ایک چیز کی پیدائیش پر قادر۔ جیسے یہ مانا جاتا ہے کہ:۔ "پرمیشور کے ہاتھ نہیں۔ لیکن اپنی طاقت کے ہاتھ سے سب کو بناتا اور قابو رکھتا ہے۔ پاؤں نہیں۔ لیکن محیط ہونے کے باعث سب سے زیادہ صاحب رفتار ہے۔ آنکھ کا آلہ نہیں لیکن سب کو ٹھیک ٹھیک دیکھتا ہے۔ کان نہیں پھر بھی سب کی باتیں سُنتا ہے۔ انتہ کرن (حواس باطنی) نہیں۔ مگر تمام (۱۳)
دنیا کو جانتا اور اُسکو حد کے ساتھ جاننے والا کوئی بھی نہیں ہے الخ" (ستیارتھ صفحہ ۲۱۵ و ۲۱۶) تو پھر اس امر کو تسلیم کیوں نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ بغیر مادہ اور روح کی محتاجگی کے انہیں از خود پیدا کرکے کارخانۂ عالم بنا سکتا ہے؟ جس طرح انسان بغیر ہاتھ کے کوئی کام نہیں کر سکتا بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا بغیر آنکھ کے دیکھ نہیں سکتا بغیر حواس کے سمجھ نہیں سکتا اسی طرح وہ بغیر مادہ کے کوئی چیز پیدا بھی نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ خدا اس قسم کے آلات سے بے نیاز اور مستغنی ہے اس لئے وہ انسانوں کی طرح مادہ کا بھی محتاج نہیں اور بغیر احتیاج مادہ تمام دنیا بنا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ علیم کُل قادر مطلق اور محیط کُل ہے۔

چودھویں دلیل ۔ خدا کو زمانۂ آئندہ کا علم ہے یا نہیں؟ یعنی وہ اُن امور سے واقف ہے جو زمانہ مستقبل (بھوشیّت) میں رونما اور ظہور پذیر ہونگے؟ اگر جواب مثبت میں ملے اور کہا جائے کہ ہاں پرماتما زمانۂ آئندہ کا بھی عالم ہے تو اسپر ہمارا یہ سوال ہے کہ جب وہ امور جو ابھی تک پردۂ کتم میں ہیں اور جن کا وجود فی الحال خارج میں نہیں۔ مگر اُن سے ایشور پہلے ہی واقف ہے تو کیا وہ کوئی شئے نیستی سے ہستی یا عدم سے وجود میں نہیں لا سکتا؟ جب وہ بغیر معلوم کے علیم مانا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ

اُسے بغیر علّت (مادّی) کے معلول بنانے پر قادر نہ مانا جائے؟ یہ بات تو ظاہر ہے کہ جو ہستی بغیر کسی علّت یا سبب کے زمانۂ آئندہ میں ہونے والے امور کو جانتی ہے (جبکہ زمانۂ حال میں وہ امور عدم محض ہیں) تو کیوں وہ ہستی جو بغیر معلوم کے عالم ہے بلا احتیاج کسی علّت مادّی کے کسی چیز کو عدم سے وجود میں نہ لا سکے؟ اگر کہا جائے کہ پرماتما زمانۂ آئندہ کے حالات سے واقف نہیں۔ تو پھر علیم کُل نہ رہا۔ اور جو علیم کُل نہیں وہ خدا یا پرمیشور کیسے ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ سوامی جی نے بھی لکھا ہے "جو علیم کُل نہ ہو اور نہ آئندہ کی بات جانے وہ انسان ہے الخ" (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۵۲۲)

مگر چونکہ خدا زمانۂ آئندہ کا جانتا ہے اس لئے وہ علیم کُل ہے۔ دیکھئے ستیارتھ پرکاش باب ۷ صفحہ ۲۱۱ کی مندرجہ ذیل عبارت: "اے مالک عالم! جسکے ذریعہ تمام یوگی لوگ (عارف) جملہ معاملات گذشتہ۔ آئندہ اور حال کی واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ جو پرماتما کے ساتھ میل ہونے سے غیر فانی جیو آتما کو تینوں زمانوں کا سب طرح جاننے والا بناتا ہے الخ" فرمایا کہ جہاں پرمیشور تینوں زمانوں کا واقف ہے، وہاں وہ اپنے نیک بندوں کو بھی ماضی مستقبل کا علم دیتا ہے[1]۔

اسی طرح رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اُردو صفحہ ۴۸ میں بھی لکھا ہے کہ: "ایشور تری کال درشی یعنی تینوں زمانوں کا حال جاننے والا ہے الخ" لہٰذا یہ غلط ہے کہ (نعوذ باللہ) ایشور زمانہ مستقبل سے ناواقف ہے۔ (۱۴)

اور اگر پرمیشور کو آئندہ حالات سے واقف نہ مانا جائے تو اس سے آریوں کے مسئلۂ تناسخ پر بھی زبردست زد پڑتی ہے۔ کیونکہ یہ مانا جاتا ہے کہ ایشور نیک و بد اعمال کے نتیجہ میں ارواح کو اچھی یا بُری جونوں میں ڈالتا ہے۔ تو جب وہ آئندہ حالات کا علم ہی نہیں رکھتا تو نیک یا بد ارواح کو جزاء و سزاء کیوں کر دیگا؟ مثلاً ایک روح نے ایسے عمل کیئے کہ جن کے بدلہ میں اُسے بادشاہ بنایا جائے تو بتائیے کہ ایشور اس نیک روح کو کیونکر بادشاہ ہونیوالی جون میں ڈالیگا؟ جبکہ وہ جانتا ہی نہیں کہ آئندہ کیا ہونیوالا ہے۔ اگر کہا جائے کہ جس نے بادشاہ بننا ہوگا اسکو کسی بادشاہ ہی کے گھر جنم دیدیگا تاکہ وہ بعد از وفات بادشاہ خود بادشاہ بنجائے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک وہ روح جس کا جنم کسی بادشاہ کے گھر ہُوا ہے وہ بھی اپنے وقت میں بادشاہ ہی بنے۔ اس لئے کہ بعض اوقات دنیا میں ایسے انقلاب اور تغیّرات بھی وقوع پذیر ہو جاتے ہیں کہ ؎

رات جو رکھتے ہیں پوشاکیں برنگِ یاسمن ❊ صبح کرتی ہے انھیں مثلِ درختانِ چنار

شب کو جو تمام دنیا پر حکمران بنے ہوتے ہیں صبح ہوتے ہی ایک ٹکڑا گدا سے بھی بدتر حالت کو پہنچ جاتے

---

[1] اس کو اسلامی اصطلاح میں پیشگوئی اور الہام کہہ سکتے ہیں جس سے پیروانِ وید محروم ہیں ❊

ہیں جس کی تازہ مثالیں زار روس۔ شہنشاہ آسٹریا۔ شاہ یونان۔ سلطان ٹرکی وغیرہ کو دیکھ لیجئے۔ پس اگر ایشور بادشاہ بننے کے لائق کرنے پر روح کو کسی بادشاہ کے گھر پیدا بھی کر دے تب بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ یقیناً بادشاہ ہی بنے گی۔ کیونکہ تاریخ عالم اس پر شاہد ناطق ہے۔ کہ بہت سے یوراج ولیعہد اور ابن سلطان انقلاب زمانہ کے ہاتھوں مراد تک نہ پہنچ سکے۔ پس ایشور اسی حالت میں کسی نیک اعمال روح کو اس کی جزا میں کسی بادشاہ کے گھر جنم دے سکتا ہے جبکہ اسے حالات پیش آمدہ کا علم ہو اور وہ جانتا ہو کہ میں جس بادشاہ کے گھر میں اس روح کو جنم دینے لگا ہوں اس کی سلطنت قائم رہیگی اور اس کی موت کے بعد یہ (بادشاہ بننے والی) روح ضرور ہی بادشاہ بنے گی۔

اسی طرح ایشور کے آئندہ زمانہ سے ناواقف ہونے کے باعث گنہگار ارواح اعلیٰ درجہ کے سکھ بھی حاصل کر سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ایشور ایک روح کو اسکی بد اعمال کے بدلہ میں کسی غریب کنگال خانہ بدوش کے گھر پیدا کر دے لیکن کبھی وہی روح (کنگال کے گھر پیدا ہونیوالی) کسی عظیم الشان سلطنت کی بانی بن جائے۔ جیسے نادر۔ نپولین وغیرہ۔ پس اس لحاظ سے بھی ایشور کو علیم کل اور زمانہ مستقبل کا عالم ماننا پڑیگا۔ ورنہ تناسخ بھی باطل ہو جائے۔

(۱۵) سو جب یہ عقلی و نقلی دلائل سے ثابت ہو گیا کہ ایشور آئندہ کے واقعات و حالات کو جانتا ہے تو اسکے ساتھ یہ امر بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ وہ بغیر کسی ازلی مادہ کے ہر ایک چیز کو اپنی کمال قدرت سے پیدا بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ہمارے لئے بغیر معلوم کے علم حاصل ہونا محال ہے ویسے ہی بغیر علت کے معلول بنانا مشکل۔ مگر جیسے خدا بغیر معلوم شئے کے وجود کا پیشتر ہی عالم مانا جاتا ہے تو ویسے ہی اسے بغیر علت مادی کے معلولات بنانے والا بھی ماننا چاہیئے۔

پندرھویں دلیل۔ بانی آریہ سماج نے اپنی کتب میں متعدد جگہ اس بات کو دہرایا ہے کہ پرمیشور ازل سے روح مادہ کا مالک ہے۔ لیکن یہ امر کیونکر باور کر لیا جائے جبکہ پرمیشور نے روح مادہ کو پیدا ہی نہیں کیا کیونکہ حقیقی ملکیت تبھی سمجھی جا سکتی ہے جبکہ روح مادہ خدا کی مخلوق ہوں۔ مگر جب خدا کی طرح روح بھی ازلی مادہ بھی ازلی روح بھی واجب الوجود روح بھی غیر مخلوق مادہ بھی غیر مخلوق تو اس حالت میں خدا ان کا کس حق کی بنا پر مالک بن گیا؟ یہ ایک وزندار سوال ہے جس کا جواب آریہ سماج اسوقت تک نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ روح مادہ کو خدا کی خلق نہ مانے۔ کیونکہ دنیا میں ملکیت کی جسقدر بھی اقسام ہیں ان میں سے ایک بھی حقیقی طور پر ایشور پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ انسانی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ پانچ قسمیں ہو سکتی ہیں۔ اوّل۔ کوئی چیز کسی سے خریدی جاوے اور اس پر اپنا حق مالکیت قائم کر لیا جائے۔

دوم۔ کسی کی کوئی چیز جبراً چھین لی جاوے۔ اور قہراً مالک بن بیٹھے۔ سوم۔ کوئی چیز ترکہ یا وراثت کے طور پر ملے اور اسپر مالکیت کا حق جمالیا جائے۔ چہارم۔ پرُانے قبضہ سے مالک بنجائے جیسا کہ انگریزی قانون میں روا رکھا گیا ہے کہ اگر کسی چیز پر کسی شخص کا پُرانا قبضہ ثابت ہو جائے تو اسکو اُس چیز پر مالکیت کے حقوق مل جاتے ہیں۔ پنجم۔ خود وہ چیز اپنے آپکو مملوک بننے کے لئے پیش کریں جس طرح کہ بعض اقوام باہم ملکر ایک شخص کو اپنا پریذیڈنٹ تجویز کرلیتی ہیں۔ اور وہ اُن پر حکم جاری کرتا ہے۔

مگر ان اقسام خمسہ میں سے ایک بھی قسم ایشور کے شایان شان نہیں اور نہ ہی اِن کی رُو سے وہ ازلی مالک تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس نے روح مادہ کسی سے خریدے تو اس سے پھر یہ ثابت ہوگا کہ انکا اصل مالک کوئی اور تھا جس سے پیدکر ایشور نے دام دیکر خرید لیا۔ اور پھر یہ بھی ماننا ہوگا کہ کم از کم خریدنے سے پیشتر ان کا مالک نہ تھا پس ازلی مالک نہ بنا۔ اور اگر اُس (ایشور) نے روح مادہ کسی سے جبراً چھینے تو یہ ظلم ہے۔ جو ذات باری کی طرف منسوب کرنا کفر کے مترادف ہے۔ اور پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ پرمیشور کسی سے چھیننے کے بعد مالک بنا لہٰذا ازلی مالک تب بھی نہ ہُوا۔ جیسا کہ سماج کا عقیدہ ہے کہ وہ ازلی سے مالک ہے۔ اور اگر تیسری قسم لی جاوے کہ ایشور کو بطور ورثہ کے روح مادہ مل گئے۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس طرح بھی وہ (ایشور) ان کا مالک حقیقی نہیں ٹھیرتا۔ اور نہ ہی مالک ازلی۔ کیونکہ جب اُسے ورثہ میں روح مادہ ملے تب ہی وہ ان کا مالک بنا۔ نہ ہی چوتھی قسم کہ پرُانا قبضہ ہونے کے باعث وہ روح مادہ کا مالک بن گیا تو یہ قسم بھی ناقص ہے۔ اس لئے کہ پرمیشور کو جب قبضہ ملا تب ہی وہ جائز مالک بنا اس سے پہلے تو مالک نہ تھا۔ پس ازلی مالک پھر بھی ثابت نہ ہُوا۔ اور پانچویں قسم کہ ارواح نے کمیٹی کرکے اُسے اپنا مالک بنالیا تو اس کی رُو سے بھی یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جب ارواح نے اُسے اپنا حاکم تجویز کیا۔ تب ہی وہ ان کا حاکم و مالک بنا۔ اُس سے پہلے نہیں۔ اور جنہوں نے مشورہ کرکے اُسے از خود اپنا مالک بنایا ہے وہ ایک وقت میں اُسے معزول بھی کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ جمہوری سلطنتوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا جو بھی قسم مالکیت کی ٹھیرائی جائے اُن میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو خدائی شان کے شایاں اور اُسے حقیقی مالک ثابت کر سکے۔

پس حقیقی اور واقعی مالکیت تب ہی ہو سکتی ہے جبکہ ایشور نے روح مادہ کو پیدا کیا ہو۔ ورنہ وہ جابر اور ظالم ٹھیریگا کہ اس نے بغیر کسی جائز حق کے آزاد ارواح کو محض تحکم اور جبر سے اپنا محکوم بنالیا۔ مگر جبر اور تحکم نہایت ہی ارذل اور گری ہوئی صفات ہیں جن کی نسبت خدا کی طرف کرنا گویا دہریت کی عمیق غار میں مُنہ کے بل گرنا ہے۔

لیکن ایک آستک اور خدا پرست ایک لمحہ کے لئے بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا کہ خدا بھی ظالم اور جابر ہے۔ اور وہ بغیر کسی حق کے دوسروں پر حکومت کر رہا ہے۔ پس یہ آخری دلیل ہی شرح

...کی قدامت کا پاش پاش کرتی ہے۔ کیونکہ اگر روح مادہ ازلی مانے جائیں تو خداوند جلشانہٗ
...ت اور بدنما دھبہ لگتا ہے جس سے وہ قدوس ذات یقیناً منزّہ و مبرّہ ہے۔

اس مضمون پر اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن ایا۔ حق پسند راستی شعار منصف مزاج
...سان کے لئے یہ پچیس ۲۵ دلائل بھی کافی سے زیادہ ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو بقیہ دلائل بھی پیش خدمت
...رین کر دیئے جائینگے (انشاء اللہ تعالیٰ)

اب آخر میں سماجی حضرات سے ہم مؤدبانہ التماس کرتے ہیں کہ وہ ان دلائل و براہین کا غور و تدبر
...ے مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اُن کا مشرکانہ عقیدہ کہ روح مادہ قدیم اور ازلی ہیں کس طرح اس لائق ہے
...ے درست اور صحیح تصوّر کیا جائے جبکہ اُسکے ابطال میں درجنوں دلائل موجود ہیں۔ نہ صرف عقلی
...نقلی بھی اور وہ بھی وید اور شاستروں کے جو سماج کو مُسلّم ہیں۔

عجیب بات ہے جو ہماری سمجھ میں آج تک نہ آئی کہ آریہ سماج نے روح مادہ کو ازلی اور غیر مخلوق کیونکر
...لیا جبکہ وید اور شاستر کھُلے لفظوں میں اس عقیدۂ مردود کی تردید کر رہے ہیں۔

بہر حال اب جبکہ ہم نے وید شاستروں کے چند دلائل یکجا جمع کر دیئے ہیں انہیں سماجی دوست
...ھیں اور ضرور پڑھیں اور دیکھیں کہ وید کیا کہتا ہے شاستر کیا کہتے ہیں اور عقل کیا فتویٰ دیتی ہے،
...برخلاف اس کے ان کا اپنا عقیدہ کیا ہے؟ (فضل حسین احمدی مہاجر قادیان)

[illegible]عت بنتے ہو [illegible]امام کہاں ہے

ایک رسالہ امرت سر سے جماعت نام سے نکلا ہے اس کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کی سر پرستی میں شائع ہوتا ہے جس کا نام پوری تین سطروں میں بمشکل آیا ہے
...لقاب خانہ ساز یہ بھی تجویز ہوئے ہیں وارث کمالات نبوّت اور مجدّد وقت۔ ماشاءاللہ۔ ہم صرف اتنا
...چھنا چاہتے ہیں۔ کہ کمالات نبوّت میں سے نمایاں مابہ الامتیاز تو مکالمہ مخاطبہ الٰہیّہ ہی ہے پس کیا پیر جماعت علیشاہ
...دعویٰ ہے کہ خدا اُن سے ہمکلام ہوتا ہے اگر ہے تو ان کے قلم سے لکھوا کر شائع کرو۔ وہ اپنے الہامات لکھیں
...ثبوت دیں کہ وہ خدائے قدیر کا کلام ہے۔ دوم مجدّد وقت ہونیکا دعویٰ۔ یہ کب سے؟ کیا پیر صاحب اسکی تصدیق
...نگے یا پیران نمے پرند۔ مریدان مے پرانند والی بات ہے۔ حضرت! مجدّدیّت نیاز کے پتاشے نہیں کہ آپ جس کو
...یں دیدینگے یہ خلعت تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے اِنّ اللّٰہ یبعث ملاحظہ ہو۔ اور پھر علیٰ رأس کل مائتہ کی
...ساتھ ہے جب پکار پکار کر کہا جا رہا تو خاموش رہے اور اب بعد از جنگ یاد آیا۔ تو بر روئے خود باید زد پر عمل فرمائے
...یں ایکو دعویٰ ہے کہ ہم جماعت ہیں۔ مگر یہ کیا عجوبہ ہے کہ جماعت بغیر امام کے۔ وہ امام کہاں ہے یا آپ بھی شیعوں کی مانند
...غائب کے قائل ہیں۔ برات بغیر دولہا کے۔ جماعت بغیر امام کے ہیچ۔ اور خود آپ لوگوں کی حالت بتا رہی ہے کہ کوئی۔

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی

آپ یہ کتابیں ضرور منگوائیں

تشحیذ بک ایجنسی قادیان کی بہترین کتب

براہین العقائد۔ اس کتاب میں فضلاء سلسلہ احمدیہ نے خاص توجہ وارکان ایمان پر قرآن مجید کی آیات سے عقلی دلائل دی ہیں ہر احمدی ہر مسلمان کے پاس یہ رسالہ ضرور ہونا چاہیئے۔ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اس طرز کی ایسی مدلل و جامع و مفید پھر مختصر کتاب اور کوئی نہیں قیمت ۸/

آسمانی گولہ۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ پر کذاب ہونیکا الزام لگایا گیا اور ایک نادان نے آپ کے حوالوں کے متعلق چند جھوٹ بیان کیئے ہیں ان کا کافی جواب اس رسالہ میں دیا گیا ہے قیمت ۱/

مقصد مذہب۔ یہ وہ معرکۃ الآرا مضمون ہے جو مذہبی کانفرنس لاہور میں کُل مذاہب کے نمائندوں کے سامنے پڑھا گیا اور بتایا گیا کہ اسلام ہی اس مقصد کو پورا کرتا ہے جو ایک مذہب کا مقصد ہونا چاہیئے قیمت ۳/

التشریح الصحیح فی نزول المسیح۔ نزول مسیح کے متعلق ہر قسم کے دلائل و ثبوت اسمیں جمع کر دیئے گئے ہیں قیمت ۱/

مباحثہ سرگودھ۔ جناب سید میر محمد اسحٰق صاحب و مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے مابین تحریری مباحثہ صداقت و نبوت مسیح موعودؑ پر۔ قیمت ۶/

مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی۔ پہلے تمام پیشگوئیوں کے متعلق تمہیدی اصول لکھے ہیں جن سے ہر پیشگوئی کے حل کرنے میں کو پوری مدد مل سکتی ہے۔ پھر اس پیشگوئی کے متعلق نہایت مدلل و مفصل بحث کی ہے مرزا سلطان محمد کے خط کا عکس بھی ہے جسمیں حضرت مسیح موعودؑ کی بزرگی کا اعتراف کرتا ہے قیمت ۶/

کمالات احمدیہ۔ یہ وہ زبردست رسالہ ہے جسمیں مولوی ثناء اللہ امرتسری کے عمر بھر کے مایۂ ناز اعتراضات (جو اس نے شہادات مرزا میں جمع کر دیئے ہیں اور اسکے جواب پر ایک ہزار روپے کا انعام مقرر کیا) کا دندان شکن و مسکت جواب ہے جلد منگوا لیجیئے قیمت ۶/

نوٹ:۔ جو صاحب یہ سِٹ اکٹھا منگوالیں ان کو صرف دو روپے میں دیا جائیگا ؛

تشحیذ الاذہان کے پرانے فائل گذشتہ ۸ سال کے فائل سنہ ۱۹۱۴ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۱ء تک صرف بیس ۲۰ روپے میں دیئے جاتے ہیں ان فائلوں میں آریوں عیسائیوں شیعوں غیر احمدیوں پیغامیوں کے متعلق ایسا جامع میٹیریل ہے کہ انشاء اللہ اور کہیں سے نہیں ملیگا مناظرات مباحثات علمی معلومات کیلئے کافی ہے۔ جلد منگوا لیجیئے ؛

مرہم عیسیٰ۔ مشہور و معروف دوائی صرف ڈبی کلاں موجود ہے **خالص** گہار سلاجیت **خالص**۔ یہ خالص ترین سلاجیت ہے قیمت عمر

درخواستیں بنام مینیجر تشحیذ قادیان دارالامان ضلع گورداسپور (پنجاب)